فہرست

مقدمہ

اس کتاب کے مصنف سعادت یار خان رنگین سید انشا کے گہرے دوست اور دہلی کے مشہور شاعروں میں ہیں۔ دیباچہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ ۱۷۔ رجب ۱۲۱۵ھ کو لکھنؤ میں چند اعزا اور احباب خاص کے مجمع میں اپنی اور مختلف شاعروں کی گزشتہ صحبتوں کا ذکر کر رہا تھا اور بیان کر رہا تھا کہ فلاں شہر میں فلاں شخص سے یہ گفتگو ہوئی اور فلاں سے یہ۔ میرے دوست مرزا نسیم بیگ جوان نے فرمایا کہ اگر اس تقریر کو ایک رسالہ کی شکل میں لکھ ڈالو تو ایک یادگار باقی رہ جائے گی۔ میر انشاء اللہ خاں نے بھی ان کی تاکید کی اور تمام اہل صحبت بھی مصر ہوئے آخر میں نے ان کی خاطر سے چند مجلسیں لکھیں۔

اس کتاب کا نام سید انشاء اللہ خاں کا تجویز کیا ہوا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ مصنف کے نام اور کتاب کے موضوع کے اعتبار سے اس سے بہتر نام ملنا مشکل تھا۔

"مجالس رنگین" نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات کتاب ہے۔ اس میں بہت سے ان شاعروں کا حال ملجاتا ہے جن کے بیان سے اکثر تذکرے خالی ہیں اور چونکہ رنگین کے تمام بیانات چشم دید ہیں لہذا مستند بھی ہیں جتنے آدمیوں کا ذکر آیا ہے ان کی فہرست مجلسوں کے حوالوں کے ساتھ کتاب کے آخر میں درج ہے

اس کتاب سے رنگین کے زمانہ کے مذاقِ شعر۔ اُس دور کے لوگوں کی طبیعت۔ اور اس عہد کی معاشرت کے بعض پہلوؤں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

خود رنگین کے بارے میں بھی اس کتاب سے بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں یہ باتیں کتاب بھر میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کو یکجا کرنے سے ذیل کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

سعادت یار خاں رنگین کے والد محکم الدولہ طہماسپ بیگ خان بہادر اعتقاد جنگ ایک معزز امیر تھے۔ ان کی جاگیر بہت بڑی تھی۔ بادل کا پرگنہ چوراسی گاؤں کے ساتھ ان کی جاگیر میں شامل تھا۔ سنہ ۱۲۰۳ھ میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے ان کو اپنا ایلچی بنا کر تیمور شاہ والی کابل کے پاس بھیجا تھا۔ اس واقعے کی تفصیل آگے درج کی جائے گی۔ رنگین خود بھی معزز آدمی تھے۔ بڑے بڑے نوابوں اور منصب داروں سے بے تکلف دوستی اور برادرانہ تعلقات تھے۔ نواب نجف قلی خاں نے جب نواب مرزا جعفر کو کانوڈ سے دہلی بھیجا تو رنگین کو بھی دو سو سواروں کے ساتھ ان کے ہمراہ کر دیا۔ جب یہ لوگ ریواڑی کے شہر میں پہونچے تو وہاں کے راجہ مترسین نے ان کی بڑی پر تکلف دعوت کی۔ لشکر نارنول میں رنگین نواب اسمٰعیل خاں بہادر کے ساتھ تھے۔ نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے دستار بدل بھائی تھے اور انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعر گوئی اور شعر خوانی کا شوق پیدا ہوا تھا۔

رنگین شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ بچپن سے بے جھجک اور بیباک تھے اور بقول خود ان کے مزاج میں چالاکی زیادہ تھی اور شعور کم۔ چنانچہ ایک دن شاہ حاتم نے اپنے شاگردوں اور ارادت مندوں کے مجمع میں اپنا یہ مطلع پڑھا ؂

رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے

رنگین نے سنتے ہی کہا کہ اگر یوں ہوتا تو بہتر تھا ؂

ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے
سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے

لوگوں کو رنگین کی یہ گستاخی بری معلوم ہوئی۔ لیکن شاہ صاحب نے بڑی تعریف کی اور کہا کہ میں اپنے دیوان میں اس مطلع کو یونہیں لکھوں گا۔ اس واقعے سے ضمناً یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ علامت فاعل (نے) کے حذف کو خلاف فصاحت سمجھنے لگے تھے۔ اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ رنگین نے میر سوز کے اس مصرع پر بھی ع

"میں کہا دل میں درد ہے میرے"

یہ اعتراض کیا تھا کہ "میں کہا" غیر فصیح ہے۔

رنگین کوئی عالم و فاضل شخص نہیں تھے اور اُن کو علمیت کا دعویٰ بھی نہ تھا چنانچہ خود کہتے ہیں۔

"اگرچہ گمان ہیچ کمالے ندار واما از فیض صحبت بزرگاں فی الجملہ از شعر و شاعری بہرہ برداشتہ"

مرزا نعیم بیگ جوان نے جب یہ کتاب لکھنے کی فرمائش کی تو رنگین نے انکو یہ جواب دیا۔

"علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ تکلف پیدا خواہد کرد۔ نظم من حیثیت کہ نثر خواہد بود"

اُس زمانہ کا ہر شریف آدمی تھوڑی بہت فارسی ضرور پڑھتا تھا چنانچہ رنگین بھی فارسی جانتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ مگر فارسی نثر اچھی نہیں لکھتے تھے اور ان کو خود بھی اس بات کا احساس تھا۔ ان کی نثر میں کوئی حسن یا ادبیت تو خیر ہے ہی نہیں اس میں فارسیت کی روح بھی مفقود ہے۔ ان کا انداز بیان اور پرواز خیال دونوں بالکل ہندی ہیں۔ وہ سوچتے اُردو میں ہیں اور لکھتے فارسی میں ہیں۔ اسی لیے گو الفاظ سب فارسی ہیں مگر جملوں کی ساخت اُردو ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اسے اُسی نظر سے پڑھنا چاہیے جس نظر سے یہ لکھی گئی ہے یعنی "مطلب از عبارت نیست مدعا از مدعاست"۔

"مجالس رنگیں" یقیناً نثر کی پہلی کتاب ہے جو رنگین کے قلم سے نکلی اور اُن کی تصنیفات کی طویل فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی نثر کی آخری کتاب بھی ہے۔ ان کی کسی دوسری نثر تصنیف کا پتہ اب تک نہیں چلا۔ ان کی فارسی نظم بھی سیدھی سادھی ہوتی ہے۔ چند غزلیں اس کتاب میں جا بجا درج ہیں۔ اُن سے ان کی فارسی شاعری کا انداز معلوم ہو سکتا ہے۔

رنگین نے اپنا تخلص اپنی طبیعت کے مناسب رکھا تھا وہ ایک رنگین مزاج شخص زندہ دل۔ یار باش۔ آزاد طبع۔ حسن پرست اور عاشق مزاج آدمی تھے۔ (دیکھو

مجلس ۱۶ و ۴۰ و ۵۰) مگر اسی کے ساتھ خود دار بھی تھے اور اپنے خاص احباب یا نہایت خاص لوگوں کے سوا ہر شخص کے یہاں جانا آنا پسند نہیں کرتے تھے۔

(دیکھو مجلس سی و یکم)

نواب غلام قادر خاں فرخ رنگین کے بڑے گہرے دوست تھے۔ لڑکپن میں ان دونوں نے اپنی اپنی پگڑیاں بدلی تھیں۔ یہ اردو کے اچھے شاعر تھے۔ انھیں کی صحبت میں رنگین کو شعر خوانی اور شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا تھا۔ رنگین شاہ حاتم سے اصلاح لیتے تھے اور شاہ صاحب کی رائے ابتدا ہی میں یہ تھی کہ کچھ مشق کے بعد یہ بہت ترقی کریں گے۔ رنگین نہایت زود گو تھے اور اسی زود گوئی کی بدولت بہت سی کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ مگر ان کے کلام میں حقیقی شاعری بہت کم ہے زیادہ تر ان کی توجہ محاورات کی درستی، عبارت کی چستی اور الفاظ کی نشست وغیرہ کی طرف رہتی تھی۔ ایک غزل اس شرط کے ساتھ کہی کہ حروف تہجی میں سے ترتیب وار ایک ایک حرف سے دو دو لفظ شروع ہوں۔ قافیہ اور ردیف کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ یہ غزل مجلس بست و دوم میں درج ہے۔ باوجود انتہائی زود گوئی کے اس غزل کی تصنیف میں تین مہینے فکر کرنا پڑی۔ لیکن سچ پوچھیے تو ان کی یہ محنت "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا مصداق ہے۔ شاعری سے تو اس کو کوئی علاقہ نہیں البتہ الفاظ کے استعمال پر قدرت حاصل کرنے کی ایک اچھی مشق ہے۔

اختلاف مذاق ہر زمانہ میں رہا ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ رنگین کے زمانہ میں بھی کوئی

صاف شعر پسند کرتا تھا کوئی دقیق - خود رنگین کا خیال یہ تھا کہ صاف شعر اچھا ہوتا ہے
اس لیے کہ وہ عام فہم اور خاص پسند ہوتا ہے - اس کے علاوہ صاف شعر میں محاورے
اور اصطلاح کی غلطی اور کلام کی مہملیت چھپ نہیں سکتی - اور اسکی اچھائی برائی
جلد معلوم ہو جاتی ہے - اس کے خلاف دقیق شعر میں اگر کوئی قباحت بھی ہوتی ہے تو عام لوگ
اپنے فہم کا قصور سمجھکر خاموش ہو رہتے ہیں اور خاص لوگ بھی شبہے میں پڑ جاتے ہیں -
اسی لیے صاف شعر کہنا دقیق شعر کہنے سے زیادہ مشکل ہے -

رنگین توارد اور سرقے کی بحث کو فضول سمجھتے تھے - اُن کا خیال یہ تھا
کہ مضمون کو جو شخص خوبی کے ساتھ باندھ دے وہی اسکا مالک ہے - یعنی وہ مضمونِ
شعر کو انداز بیان کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے -

رنگین کو میر حسن کی مثنوی اسقدر پسند تھی کہ وہ پسندیدگی کو لفظ عشق سے ظاہر کرتے
ہیں - انھوں نے اس مثنوی کو نہایت تحقیق و تصحیح کے بعد اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا -
پھر بھی چند مقامات پر کچھ شبہے رہ گئے تھے جن کو اُنھوں نے فیض آباد میں مصنف کے
بیٹے میر خلیق سے پوچھکر دور کرنا چاہا تھا - جن شعروں میں رنگین کو شبہہ تھا وہ یہ ہیں :-

معرق جو اہر سے اک جفت کفش	نہ وہ مفت پایا بلکہ پا مفت کفش
کہا اس نے اس سے کہ سچ مچ ہے یہ	دیا چھیڑنے کو مرے کچھ ہے یہ
کھڑے ارنے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ	کہ جی کون دیتا ہے بد بد کے ہوڑ
تجھے نقل کرتے نہیں لگتی بار	نہو تجھ سے مایوس امیدوار

ان میں سے پہلے شعر کے معنی رنگین کی سمجھ میں نہیں آئے تھے اور باقی شعروں کے قافیے مشتبہ معلوم ہوتے تھے۔

میر سوز کی شاعری رنگین کو پسند نہ تھی۔ مگر اُن کی بزرگی کا لحاظ کرتے تھے۔ رنگین نے بہت سے شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن صرف میر کو "حضرت میر تقی صاحب" لکھا ہے۔ اس عزت سے کسی دوسرے شاعر کا نام نہیں لیا ہے۔ مگر اعتراض سے اُن کو بھی نہ چھوڑا۔ اُن کو میر کے کلام پر خاص اعتراض یہ تھا کہ وہ لفظوں کو تنگی سے نظم کرتے ہیں مثلاً سے

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ترچھے ٹیڑھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا
کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام
کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

رنگین سید انشا کو باکمال اُستاد سمجھتے تھے اور اُن کی شاعری سخن فہمی اور انتخاب الفاظ کے قائل تھے (دیکھو مجلس بست و چہارم)

رنگین کو بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا اور ان کے ہمعصر بھی ان کے اس کمال کے معترف تھے۔ یہاں اُن کی بدیہہ گوئی کی مثالیں پیش کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا کتاب کا ہر ورق اُن کے اس وصف پر شاہد ہے۔

عیوب کلام پر رنگین کی نظر فوراً پڑتی تھی۔ کسی کے کلام پر اعتراض کر دینا کوئی

بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ مگر رنگین میں کمال یہ تھا کہ ادھر اعتراض کیا اور اُدھر اصلاح دیکر شعر کو درست کر دیا یا اُس سے بہتر شعر فوراً کہدیا۔ وہ اعتراض کرنے میں بڑے بیباک تھے لیکن بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنا خلاف ادب سمجھتے تھے۔ پھر بھی اگر ضرورت پڑ جاتی تھی تو اعتراض کرنے سے باز نہ رہتے تھے۔ اپنے ہمعصروں کے علاوہ شاہ حاتم میر سوز۔ مرزا سودا۔ میر تقی میر کے کلام پر بھی جا بجا اعتراض کیے ہیں۔ ایک مرتبہ سبحان قلی بیگ راغب کے اصرار سے رنگین نے میاں نصیر کے ایک مطلع میں ایک لفظ بدل دیا۔ اس کی خبر میاں نصیر کو پہونچی تو وہ رنگین سے آزردہ ہوگئے اور بڑی مشکل سے ایک مدت کے بعد صفائی ہوئی (دیکھو مجلس یازدہم)

رنگین ریختی کے موجد تھے۔ بعض لوگوں نے عادل شاہی دور کے ایک قدیم دکنی شاعر ہاشمی بیجاپوری کو ریختی گو کہا ہے۔ ہاشمی غزل میں ہندی شاعری کے طرز پر عورت کا عشق مرد کے ساتھ دکھاتا تھا۔ لیکن ریختی حقیقت میں ایسی نظم کو کہتے ہیں جسمیں عورتوں کی زبان اور اُن کے مخصوص محاورات استعمال کیے جاہیں۔ اس تعریف پر نظر رکھ کر ہاشمی دکنی کو ریختی گو کہنا مشکل ہے۔ رنگین نے ریختی کا ایک پورا دیوان تصنیف کیا تھا جس میں قصیدے۔ مثنویاں۔ غزلیں۔ رباعیاں۔ قطعے۔ مخمس اور مستزاد بھی تھے۔ اُن کی ریختی کی غزلیں ان کی زندگی ہی میں دور دور تک مشہور ہو گئی تھیں اور خوشی کے جلسوں میں گائی جاتی تھیں۔

ریختی کے علاوہ ہزل کہنے کا بھی ملکہ تھا۔ مگر ہزل میں اکثر فحش بھی شامل کر دیتے تھے

ان کی چند ہزلیں اور چند متفرق ہزلیہ اشعار اس کتاب میں موجود ہیں۔ ان میں جہاں کہیں فحش الفاظ تھے وہ حذف کرکے ان کی جگہ نقطے دیدیے گئے ہیں۔

رنگین کو ہندی شاعری میں کچھ زیادہ دخل تو نہ تھا لیکن کبھی کبھی کبت اور دوہے بھی لکھ لیتے تھے

رنگین کا حافظہ بہت قوی تھا اور ہزاروں شعر یاد تھے۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے اپنے شاگردوں کو بہت سے شعر زبانی پڑھکر سنا دیے یہ تمام شعر جو تعداد میں ۹۴ ہوتے ہیں آخری مجلس میں درج ہیں

رنگین منصف مزاج آدمی تھے۔ جہاں وہ دوسروں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کردیتے تھے وہاں اپنے کلام پر اعتراض سُن بھی سکتے تھے۔ صحیح اعتراض کو تسلیم کرلیتے تھے۔ اور اگر کوئی مناسب اصلاح دیتا تو اُسکو مان بھی لیتے تھے۔ اگر کسی کا شعر اُن کے شعر سے اچھا ہوتا تھا تو اسکو تسلیم کرلیتے تھے۔ لیکن صاف گو اتنے تھے کہ اگر اپنے شعر کو کسی کے شعر سے بہتر سمجھتے تھے تو اُس کے منھ پر صاف صاف کہدینے میں تامل نہ کرتے تھے۔

رنگین نے ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیر کی تھی۔ جن شہروں کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے انکی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔ مکہ کے سفر کا بھی ارادہ کیا تھا اور کلکتہ سے جہاز پر سوار ہوئے تھے۔ مگر اُس زمانہ میں بحری سفر میں ہزاروں مصیبتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ رنگین کو کھانے پینے کی بھی بہت تکلیف ہوئی اور وہ خارش کے مرض میں مبتلا ہو گئے۔ کلکتہ سے مدراس تک پہونچتے پہونچتے ایسے اپنی زندگی سے بیزار ہوئے کہ یہ مطلع اپنے حسب حال کہا۔

دم آیا ناک میں اس آہ اور زاری کے جینے سے   طبیبو موت ہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

(۹) عزیز طوائف عزیز

اس کتاب میں رنگین کی تین اور تصنیفوں کا ذکر آیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) مثنوی شہزادہ مہ جبین و رانی سری نگر نازنین۔ یہ اُردو زبان میں ایک عشقیہ مثنوی ہے اس کے چند شعر مجلس دوم میں نقل کیے گئے ہیں۔

(۲) مثنوی سوداگر تاجر اصفہانی۔ یہ مثنوی فارسی زبان میں ہے اور سبحان قلی بیگ راغب کی فرمایش سے تصنیف کی گئی تھی اسکے چند شعر مجلس بست و سوم میں درج ہیں۔

(۳) ایجاد رنگین۔۔ اس میں بہت سی حکایتیں ہیں جو اُردو میں نظم کی گئی ہیں مجالس رنگین میں بعض حکایتوں کی شان نزول متفرق مقامات پر درج ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں کتابیں مجالس رنگین سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے انکی تصنیفات کا اچھا خاصہ ذخیرہ لندن میں انڈیا آفس کے کتبخانہ میں محفوظ ہے۔ فہرست تصانیف مقدمہ کتاب کے بعد لگا دی گئی ہے۔

رنگین کے بارے میں اس کتاب سے جو کچھ معلوم ہو سکتا ہے وہ لکھا جا چکا۔ اب وہ متفرق باتیں لکھی جاتی ہیں جن کا ذکر صرف ضمناً آگیا ہے اس لیے ان کے نظر انداز ہو جانیکا خوف ہے ان باتوں کے ذکر میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جا سکتی۔

(۱) ایک دستہ فوج میں بارہ ہزار سوار ہوتے تھے اور ایک کمپو میں سات آٹھ ہزار سپاہی ہوتے تھے۔

جہاز کے ناخدا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مکہ نہیں بلکہ بصرہ جائیگا۔ جو لوگ حج کے ارادے سے سوار ہوئے تھے انھوں نے بہت خوشامد کی تو اُس نے انکو پھر کلکتہ روانہ کر دیا۔ رنگین کو جہاز کے سفر میں جتنی تکلیف ہوئی تھی وہ ان کے اس جملے سے ظاہر ہوتی ہے :-

"حق تعالیٰ عذاب جہاز بکسے نصیب نہ کناد"

لکھنؤ میں رنگین اور انشا دونوں شاہزادہ مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان کی سرکار میں ملازم تھے اور دونوں میں بیحد ربط ضبط تھا چنانچہ انشا نے یہ شعر اُسی زمانے کی یاد میں کہا ہے ؎

عجب یہ رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا ۔ بہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خاں اور ہم

اس کتاب میں جہاں کہیں "مرشد زادہ" "یا مرشد زادہ آفاق" کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ مراد ہیں۔

آخری مجلس میں رنگین نے اپنے دس شاگرد بتائے ہیں اور ان میں سے نو کے نام بھی دیے ہیں جو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) میر سید علی غمگین ۔ (۲) بسنت سنگھ نشاط۔
(۳) آفتاب خاں منیر۔ (۴) محمدی خاں (تخلص نہیں دیا)۔
(۵) راجہ کدار ناتھ نسیم۔ (۶) راجہ شنکر ناتھ صبا۔
(۷) ایک عورت پنہاں تخلص۔ (۸) آدم بیگم بیغم۔

(۲) رنگین کے زمانہ میں امیروں کے یہاں پُرتکلف دعوتوں کے بعد ناچ گانا بھی ضرور ہوتا تھا۔

(۳) اس زمانہ میں نواب آصف الدولہ فرمانروائے اودھ کی شاعری کی شہرت دُور دُور تھی۔ اُن کی غزلیں اتنی مقبول تھیں کہ ارباب نشاط ان سے خوشی کی محفلیں گرم کرتے تھے۔

(۴) میموں یعنے انگریز عورتوں کو اس زمانہ کے لوگ بی بی صاحب کہتے تھے۔

(۵) اس زمانہ میں دستور تھا کہ جب کسی گہرے دوست کو اپنا بھائی بنانا چاہتے تھے تو اپنی پگڑیاں بدل لیتے تھے۔

(۶) اس زمانہ میں شاعری کا بڑا چرچا تھا۔ دہلی کے شاعروں کو خاص اعزاز و امتیاز حاصل تھا۔ لوگ میر اور سودا کی شاعری کے بہت معترف تھے۔ میاں نصیر کی مشاقی کا سکہ بھی دلوں پر بیٹھا ہوا تھا اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اُردو شاعروں میں تہ دار۔ دقیق اور مشکل شعر کہنے والا میاں نصیر کا سا کوئی اور نہیں ہے۔

(۷) اس زمانہ میں جہاز پر سفر کرنیوالوں کو بڑی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ رنگین نے اسوقت کے جہازوں کی شکل صورت۔ لمبائی۔ چوڑائی وغیرہ کا تفصیلی ذکر مجلس پنجاہ و ہفتم میں کیا ہے۔

(۸) تیمور شاہ والیٔ کابل نے ۱۲۰۳ھ میں اسد یار خاں دُرّانی کو اپنا ایلچی بنا کر تحفے تحائف ساتھ کر کے شاہ عالم بادشاہ دہلی کے پاس بھیجا۔ وہ تین مہینے تک دہلی میں مقیم رہے

جب رخصت ہونے لگے تو شاہ عالم نے رنگین کے والد طہماس بیگ خاں کو اپنی طرف سے ایلچی بنا کر اس ملک کے تحفوں کے ساتھ انکے ہمراہ کابل بھیجا۔ بادشاہ نے طہماس بیگ خاں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ مہاراجہ پٹیل بہادر کے پاس ہوتے ہوئے جائیں جو اس زمانہ میں دو لاکھ سواروں کے ساتھ راجپوتانہ کی مہم میں مصروف تھے۔ اس سفر میں رنگین اور انکے تین بھائی محمد یار خاں۔ حق وردی خاں۔ اور خداوردی خاں بھی اپنے والد کے ہمراہ تھے۔ رنگین لکھتے ہیں کہ جب ہم لوگ دہلی سے روانہ ہو کر کوٹا بوندی کے نواح میں پہونچے تو دیکھا کہ تمام ملک مرہٹوں کی تاخت سے بیچراغ ہو گیا ہے اور ہزاروں مرہٹہ سوار قزاقی کر رہے ہیں۔

مجالس رنگین کا جو نسخہ میرے کتبخانہ میں ہے وہ ۱۲۶۸ھ میں "مطبع محمدی" میں چھپا تھا۔ ایک نسخہ محترمی جناب پنڈت منوہر لال صاحب زتشی کے کتبخانہ میں بھی موجود ہے مگر وہ بھی اسی مطبع اور اسی سنہ کا چھپا ہوا ہے۔ لندن میں "انڈیا آفس" کے کتبخانے میں اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کی تاریخ تحریر ۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۹ھ ہے۔ ایک قلمی نسخہ اور بھی ہے مگر اُن تک میری رسائی نہیں۔ بہرحال اسکا کوئی دوسرا ایڈیشن یا کوئی قلمی نسخہ مجھے دستیاب نہیں ہوا۔ اس لیے اسکا مقابلہ نہیں کیا جا سکا۔ لیکن یہ نسخہ بہت صاف خوشخط اور صحیح چھپا ہوا ہے۔ ایسے مقامات جو کسی قدر مشتبہ ہیں دو تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ مجلس بست و یکم میں "پادشاہ عالم شاہ" چھپا ہوا تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں اس

کھلی ہوئی غلطی کو دور کر دیا اور اُس کی جگہ "شاہ عالم بادشا" لکھدیا ہی بعض اشعار میں سے فحش الفاظ نکالکر انکی جگہ نقطے لگا دیے ہیں اور تہذیب کتابت زمانۂ حال کے مطابق کر دی ہے۔ اس کے علاوہ متن کتاب میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا ہے

سید مسعود حسن رضوی۔ ادیب

۱۴ر اگست ۱۹۲۹ء
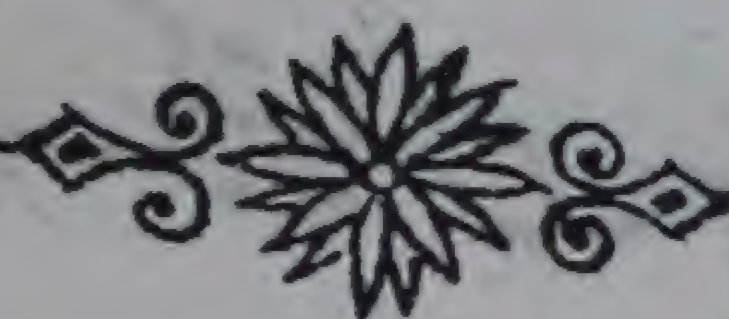
تصنیفاتِ رنگین

رنگین بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے اپنی تصنیفات کو کئی مجموعوں میں تقسیم کرکے ہر مجموعے کا ایک نام رکھ دیا تھا۔ مثلاً "مثلث رنگین" "خمسۂ رنگین" "شش جہت رنگین" "سبعہ سیارہ رنگین"، "نورتن رنگین"۔ اُن کی اکثر کتابیں خود اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی لندن میں "انڈیا آفس" کے کتب خانہ میں موجود ہیں اُنکی فہرست ذیل میں درج کیجاتی ہے

(۱) دیوان ریختہ۔ پہلا دیوان
(۲) دیوان بیختہ۔ دوسرا دیوان
(۳) دیوان آمیختہ۔ ہزلیات
(۴) دیوان انگیختہ۔ ریختی
(۵) مجموعۂ رنگین۔ سات زبانوں میں سے قصائد و غزلیات وغیرہ کا مجموعہ۔
(۶) مجالس رنگین
(۷) امتحان رنگین
(۸) اخبار رنگین۔ چشم دید واقعات نظم ہیں۔
(۹) ایجاد رنگین۔ حکایات منظوم
(۱۰) عجائب و غرائب رنگین
(۱۱) شہر آشوب۔

(۱۲) کہاوتہائے رنگین۔

(۱۳) حکایات رنگین

(۱۴) چہار چمن رنگیں۔ اس کتاب میں چار باب ہیں
اول در معاد۔ دوم در معاش۔ سوم در ظرافت
چہارم در تصوف۔

(۱۵) نظم رنگین۔ سو حکایتوں کا مجموعہ۔

(۱۶) داستان رنگین۔ سرگزشت آغا عزیز
سوداگر گجرات۔

(۱۷) جنگ نامۂ رنگین۔

(۱۸) نصاب رنگین۔

(۱۹) مثنوی فارسی بطرز مثنوی مولانائے روم

(۲۰) تصنیف رنگین

(۲۱) گلدستۂ رنگین۔

(۲۲) سبحۂ رنگین۔

(۲۳) رنگین نامہ۔

(۲۴) ساقی نامۂ رنگین۔

(۲۵) تجربۂ رنگین۔

(۲۶) کلام رنگین۔

(۲۷) فرس نامۂ رنگین۔ جس کا دوسرا
نام "اسپ نامہ" ہے۔

(۲۸) قوت الایمان۔ عقائد اسلام میں۔

(۲۹) قصیدہ قادریہ کا منظوم ترجمہ۔

(۳۰) قصیدۂ "بانت سعاد" کا منظوم
ترجمہ۔

(۳۱) سودا کا ایک قصیدہ رنگین کی اصلاح
وترمیم کے ساتھ۔

ان کتابوں کے علاوہ ایک مجموعۂ انتخابات بھی ہے جس میں رنگین کی کئی
کتابوں کے انتخابات کے علاوہ ایک مثنوی بنارس کی تعریف میں اور مفتوں، نثار
میر اور ذوق کے پانچ مطلعوں کی تضمینیں بھی شامل ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد حمد داور دادار و نعت احمد مختار صلی اللہ علیہ و آلہ الاطہار و اصحابہ الکبار ایں چند نکات خادم الشعرا سعادت یار خاں رنگیں ولد محکم الدولہ طہماس بیگ خاں بہادر اعتقاد جنگ بمعرض تسطیر در آوردہ نارسائی ذہن بر مبصران نقود معانی روشن کرد واگرچہ گمان ہیچ کمالے ندارد اما از فیض صحبت بزرگاں فی الجملہ از شعر و شاعری بہرہ برداشتہ لبقول حضرت سعدیؒ۔ نظم

گلے خوشبوے در حمام روزے	رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	کہ از بوے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گل نشستم
کمال ہمنشیں در من اثر کرد	وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

روزے از روز ہا در عہد شاہ عالم بہادر پادشاہ عالم غازی ۲۶ سنہ مطابق ہجری دوازدہ صد و پانزدہ بتاریخ ہفدہم رجب در لکھنؤ بندہ و مرزا نعیم بیگ صاحب کہ جوان تخلص میفرمایند و بسیار دوست بندہ اند و برادر صاحب مہربان انشاء اللہ خاں صاحب

که انشا تخلص می فرمایند و برادر خواندهٔ بنده اند و نواب معتمد الدوله صوفی آلہ یار بیگ خاں بہادر شہامت جنگ که برادر کلاں حقیقی بنده اند و مرزا حاجی بیگ صاحب و میر گدائی صاحب وغیره باہم نشستہ بودیم بنده ذکر صحبتہاے گذشتہ که با شعرا اتفاق افتاده بود بفصاحت کلامی بیان می نمود که در فلاں مکان چنیں اتفاق شده و در فلاں شہر ایں واردات گذشتہ بود مرزا نعیم بیگ صاحب از راه مہربانی فرمودند که اگر ایں تقریر را مع نظم و نثر بر چند اوراق بر نگارند یادگارے باند چرا که بفضل الٰہی نقادی فکر ایشاں آں مرتبہ رسیده که در کلام اکثر دخل معقول را سزاوار شدند و قدرت بدیہہ گوئی زیاده از حد پیدا کرده اند گفتم مرزا صاحب علم اصلا ندارم اگر نوشتم چہ بتکلف پیدا خواہد کرد نظم من چلیست که نثر خواہد بود بقول فردوسی طوسی ؎

تو کارِ زمیں رانکو ساختی | کہ با آسماں نیز پرداختی

فرمودند که در نظم خود نامے پیدا کرده اند نثر ہم بنویسند مطلب از عبارت نیست مدعا از مدعا ست بقول سعدی۔

حاجتِ مشاطہ نیست روی دلارام را | وصف ترا گر کنند ورنہ کنند اہل فضل

گفتم شوق شعر البتہ دارم لیکن مزاج بطرف باریکی مائل افتاده انچہ که خود نظم کرده ام ہر گاه بچشم باریکی و نگاه عداوت غور مینمایم بیشترے معنی لوچ معلوم میشود و صدہا قباحت دست بستہ حاضر می گردند کاش ایں قدر سعی و نگاه عداوت صرف کلام خود سازم بقول شخصے که گفتہ۔

عیوب این وآں چوں وزروشن بود بر بینش ۔ چو دیدم عیب خود بینی ببستم چشم و شب کردم

میرانشاء اللہ خاں فرمودند کہ ضرور باید نوشت و نام این نسخہ مجالس رنگین باید نوشت

ہر گاہ ہر یک مجوز ایں امر گردید ناچار بپاس خاطر آنہا چند مجلس از نظم و نثر بہ نوک

قلم در آوردہ نام این نسخہ مجالس رنگین نہادم توقع کہ پسند رائے راست پسنداں گردد

مجلس اوّل (در شاہ جہان آباد)

از پنجاہ سال معمول حضرت شاہ حاتم شاہ بود کہ ہمیشہ چہار گھڑی روز باقی ماندہ

در تکیۂ شاہ تسلیم شاہ کہ پائیں قلعہ مبارک ست تا شام نشستہ میماندند اکثر شاگردان

و مردم دیگر کہ در خدمت اوشان بندگی داشتند آں وقت آنجا رفتہ حاضر میشدند

چنانچہ بندہ ہم شاگرد اوشاں بود روزے در ایام نو مشقی ہماں تکیہ در خدمت

شاہ صاحب موصوف بندہ و محمد اماں خاں نثار و لالہ مکند رائے فارغ و مردے

اکبر علی اکبر وغیرہ چند شاگردان دیگر حاضر بودیم حضرت شاہ صاحب فرمودند

کہ شب مطلعے گفتہ ام۔

رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے ۔ سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے

چونکہ در مزاج چالاکی بسیار بود و شعور کم بے تکلف از راہ نادانی گستاخانہ عرض

کردم کہ اگر مصرعہ ثانی این قسم ارشاد شود بہتر ست ۔ ؎

ہم نے شب ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے ۔ سر کو پٹکا ہے کبھو سینہ کبھو کوٹا ہے

بمجرد شنیدن ایں دست بندہ را قریب خود کشیدہ دست بر سر گردانیدہ فرمودند کہ
آفریں صد آفریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد چندے مشق ایشاں بسیار ترقی خواہد کرد
ایں مثل از زبان ارشاد فرمودند۔

"ہون ہار بروے کے چکنے چکنے پات"

شخصے از حاضرانِ مجلس اظہار کرد کہ ایں قدر گستاخی لازم نبود فرمودند کہ واللہ
در دیوان ہمیں قسم خواہم نوشت وایں قطعہ بر زبان آوردند۔

من وآں سادہ دل کہ عیب مرا	ہمچو آئینہ روبرو گوید
نہ چو شانہ بصد زبان و دورو	پس سر رفتہ مو بمو گوید

مجلس دوم

درایامے بہ شاہجہان آباد روزے مثنوی شاہزادہ مہ جبین و رانی سری نگر
نازنین کہ تصنیف بندہ ہست روبروے برادر صاحب مہربان مرزا سبحان قلی بیگ
راغب میخواندم بجائے رسیدم کہ مہ جبیں تصویر رانی را دیدہ بیہوش شدہ بود۔

دیکھنے سے ہوا جو عشق کا جوش	گر پڑا ہو کے مہ جبیں بیہوش
سن کے یہ دوڑے سب صغیر و کبیر	غش کی کرنے لگا ہر اک تدبیر
کوئی بولا کہ کیوڑا لاؤ	کوئی بولا گلاب منگواؤ
گھس کے صندل کوئی سنگھانے لگا	بید مشک آ کوئی پلانے لگا

اوشاں فرمودند کہ در شعر آخر غلطی محاورہ است یعنی صندل را می چسپانند کہ می پاشند پس ایں را ایں قسم باید نوشت ؂

گھس کے صندل کوئی لگانے لگا　　بید مشک آ کوئی پلانے لگا

گفتم راست فرمودند لیکن بر در دسر محاورہ چسپانیدن بر زبان می آرند و در غش لبوپانیدن استعمال می نمایند ایں را شنیدہ فرمودند کہ از حق نباید گذشت راست تقریر نمودند

مجلس سوم

در شاہجہان آباد برادر صاحب مرزا سبحان قلی بیگ را آغب و برادر صاحب سید انشاء اللہ خاں و بندہ بہ حسب اتفاق برائے سیر دریا بر گھاٹ نگمود رفتہ بودیم دریا را در کمال طغیانی دیدہ مرزا سبحان قلی بیگ بدیہہ ایں مصرع فرمودند۔

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے

بہ مجرد خواندن اوشاں فی الفور مصرع ثانی بہم رسانیدہ گفتم کہ مطلع حق من است ؂

عشق کے دریا کا عجب پاٹ ہے　　تاہ ملے کس کو کڈھب گھاٹ ہے

ایں شنیدہ ہر دو صاحبان تحسین و آفریں کردند۔

مجلس چہارم

بہ شاہجہان آباد در مجلس شادی شخصے ابندہ و برادر مرزا سبحان قلی بیگ و دیگر

مردم بسیار نشستہ بودیم ذکرِ رباعیات فارسی بود ہر یکی رباعی خوب از ہر یک اُستاد میخواندند مرزا موصوف فرمودند کہ اُستادِ من یعنی مرزا باقر مرحوم بہادر جنگ خود نوشتہ اند کہ بہتر ازیں رباعی ممکن نیست۔

مجنوں بہوائے روئے لیلے در دشت | در دشت بجست وجوئے لیلے می گشت
می گشت ہمیشہ بر زبانش لیلی | لیلی می گفت تا زبانش می گشت

گفتم واقعی رباعی بسیار نادرست لیکن دو جا قافیہ می گشت بر یک معنی نشست یافتہ معنی دیگر در عقل نمی آید سبب چیست چوں ہمہ صاحبان غور فرمودند معنی دیگر سوائے گردیدن از می گشت پیدا نشد بندہ گفت کہ یک جا معنی می گشت گردیدن ست و بجائے دوم شاید مراد این ست یعنی تا کہ با قید حیات بود ایں را شنیدہ ہمہ صاحبان پسند فرمودند بعد ازاں بندہ بقدر حوصلہ خود بدیہہ ایں رباعی در زبان ہندی ہماں طرز عرض کردم لیکن در آں مضمون لیلی و مجنوں بود بندہ مضمون شیریں و فرہاد بست

فرہاد کو شیریں جو بہت آتی یاد | یاد اُسکی میں اپنے دل کو رکھتا وہ شاد
شاد اُسکا ہمیشہ ذکر رکھتا اُسکو | اُس کو کر یاد شاد رہتا فرہاد

بعد استماع ایں حاضرانِ مجلس مجوزِ ایں امر گشتند کہ چند رباعی دیگر از مشق سابق باید خواند بپاس خاطر آنہا ایں چند رباعی خواندم۔

رنگین اک وضع پر گذارا نہ ہوا | گذرا جو کچھ وہ پھر دوبارا نہ ہوا
چاہا ہم نے بہت نہ چاہا اُس نے | چاہا اُس کا ہوا ہمارا نہ ہوا

دیگر

رنگیں نیکی سے ہاتھ ہم نے دھویا
اور تخم بدی کو کشتِ دل میں بویا
جو عہد کر آئے تھے وہ ہم سے نہ نبھا
افسوس کہ زندگی کو یوہیں کھویا

دیگر

زاہد کہتا ہے بت پرستی کو چھوڑ
راہب کہتا ہے دل سے مستی کو چھوڑ
رنگیں کہتا ہے تو نہ سن دونوں کی
تجھ سے جو ہو سکے تو ہستی کو چھوڑ

دیگر

رنگین دل کس طرح کسی کو دیجے
اور ہاتھ میں کینہ کہ دل کسی کا لیجے
ہر گز نہیں دنیا میں کسی کا کوئی
کس کے ہو رہیے کس کو اپنا کیجے

دیگر

رنگیں کوشش میں تو نے تقصیر نہ کی
وہ کام نہیں کہ جسکی تدبیر نہ کی
لیکن افسوس ہے کہ ناداں تو نے
کچھ خانۂ آخرت کی تعمیر نہ کی

دیگر

اے موجد عیش و کامرانی پھر آ
اے باعثِ لطف زندگانی پھر آ
میں ہوں بن تیرے چشم خوباں میں ذلیل
پھر آ تو اے مری جوانی پھر آ

مجلس پنجم

در شاہجہان آباد روز بے بخانہ برادر صاحب نواب بہادر بیگ خاں کہ غالب

تخلص میفرمایند وارد شدیم اوشان غزل خود روبروے بندہ خواندند حسن مطلعش ایں بود

ہے نمے کے بند واکر ساغر کو تو پیا کر | عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

بندہ را ایں شعر بسیار پسند آمد بدیہہ در جواب ایں مطلع عرض کردم و در مقطع مصرع او

اوشاں تضمین نمودم ؎

کس مست کی نگہ کی یہ بد شرابیاں ہیں | اوندھے پڑے ہیں ساغر ٹوٹی گلابیاں ہیں

بوے چمیٹ کے لے لے رنگیں بقول غالب | عالم شراب کا ہے اور بے حجابیاں ہیں

شخصے از حاضران مجلس گفت کہ مضمون مطلع بعینہ مطلع مرزا رفیع است گفتم کدام است

ایں مطلع خواند۔ ؎

ساقی چمن میں کس کی ہیں یہ بد شرابیاں | ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

گفتم سواے قافیہ مضمون دیگر نیست و بر قافیہ حکومت کسے پیش منیرو و سرقہ ایں را

میگویند کہ حضرت مرزا رفیع فرمودہ اند شعر فارسی از کدام اُستاد ایں بود۔ ؎

بہار بے سپر جام یار می گذرد | نسیم ہمچو خدنگ از کنار می گذرد

آں را اوشاں ایں قسم فرمودہ اند۔ ؎

بہار بے سپر جام یار گذرے ہے | نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ہے

و شعر دیگر از کدام استاد ایں بود۔ ؎

آلودہ رقطرات عرق دیدہ جبیں را | اختر ز فلک می نگرد روے زمیں را

آں را اوشاں ایں طور فرمودہ اند۔ ؎

آلودہ قطرات عرق دیکھ جبیں کو — اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو

ایں را شنیدہ خجالت کشیدہ عذر ہا خواستند۔

مجلس ششم

درشاہجہاں آباد بھوئے نحاں کہ آشفتہ تخلص میفرمایند و مہربان بندہ اند۔ روزے غزل خود روبروے بندہ میخواندند دو سہ جا دخل گستاخانہ کردم از انجا کہ بسیار منصف اند و تکلف در مزاج ندارند قبول فرمودند حسن مطلع آں غزل ایں بود

پنڈت پوچھو ہاٹ دکھاؤ خال کھلاؤ کوئی پر — بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

گفتم در مصرع اوّل لفظ کوئی پر بے مصرف است اگر ایں قسم فرمایند بہتر باشد ؎

پنڈت پوچھو ہاٹ دکھاؤ خال کھلاؤ حاصل کیا — بخت جو ہوں برگشتہ اپنے کس کے پھیرے پھرتے ہیں

ومقطع ایں بود۔ ؎

جوگ تجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی — خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں

اظہار کردم کہ از لفظ جوگ تجا شعر بے معنی می شود بسبب اینکہ تجا بمعنی گذاشتن است پس اگر جوگ را گذاشتند از کدام چیز خوار و پریشاں می گردند باید گفت کہ ؎

جوگ سجا آشفتہ ہمنے دیکھ لٹک اُن زلفوں کی — خوار و پریشاں گلیوں گلیوں بال بکھیرے پھرتے ہیں

بسکہ راستی پسند اند و مدام راستی پیشہ او شان است فرمودند کہ مرا عکس ایں معلوم بود گفتم خیر غرض ہر جا کہ دخل کردم بے قیل وقال از راہ منصفی قبول فرمودند۔

مجلس ہفتم

در شاہجہاں آباد بہ محفل پسر حضرت میر سیّد صاحب مرحوم یعنی میر سید علی کہ شاگرد بندہ اند و غمگیں تخلص میفرمایند وارد بودم اوشاں ایں مطلع میاں جرأت را خواندند و بہ بندہ فرمودند کہ چیزے بدیہہ بگویند ۔

گھر جو یاد آیا کسی کا اپنے گھر میں آن کر
چپکے چپکے روتے ہیں منھ پر دوپٹا تان کر

فی الفور ایں مطلع و حسن مطلع عرض کردم و بعد چند روز غزل تمام نمودم ۔

یوں کہوں اُسکو کہ آیا ہو اگر جی میں ٹھان کر
چلیں نے مجھ کو کہیں اپنے خدا کو مان کر

بازگشتی تیر ہے پھر کر یہ تیرا دیکھنا
صدقے تیری اس ادا پر سے مجھے قربان کر

کھوئی غفلت میں جوانی دیکھ پیری میں تو چیت
صبح صادق ہو گئی چلنے کا کچھ سامان کر

سوچ جی میں کرے ہوتے غیر کو گردن نہ مار
قتل کرتا ہے تو کر ظالم و لے پہچان کر

دیکھ مجھ کو دور سے دینے لگا تھا گالیاں
جی میں کیا گذرا تھا کل تیرے ادھر تو دھیان کر

آج آنا ہی نہیں آنا تو نے مجھکو جواب
بھیج کر پیغام جھوٹے روز مت حیران کر

دل بغل سے لیگئی رنگیں وہ دزدیدہ نگاہ
ورنہ دل دیتا ہے کون اپنا کسی کو جان کر

مجلس ہشتم

در شاہجہاں آباد روزے در دیوان خانہ برادر صاحب مسیح الزماں حکیم محمد اشرف خاں کہ حکیم تخلص می فرمایند و بندہ را برادر خواندہ اند حکیم ثناء اللہ خاں فراق و اشخاص چند

گرم اختلاط بودیم خاں صاحب موصوف فرمودند کدام غزل بخوانید بموجب ارشاد

ایں غزل خواندم۔

کبھی تم میرے مقتل پر اگر آتے تو کیا ہوتا
اور اُس جا اشک آنکھوں میں جو بھر لاتے تو کیا ہوتا

کھلائے پان تمنے غیر کو کل اپنے ہاتھوں سے
جو غیرت کھاکے ہم کچھ کھاکے مر جاتے تو کیا ہوتا

اندھیری رات ہے ساون کی چھا جوں مینھ برستا ہے
اکیلا اُسکو ہم اس وقت گر پاتے تو کیا ہوتا

وہ آیا تھا یہاں اے حضرت دل بھول کر شب کو
جو تم اس وقت پہلو سے نہ چلاتے تو کیا ہوتا

وہاں اپنی ہی اپنی پڑ گئی اے ہمدمو جا کر
کوئی مطلب کی میرے بات فرماتے تو کیا ہوتا

نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو نا حق تم
اُسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

دلائیں گالیاں غیروں سے لاکھوں تمنے رنگیں کو
بھلا اُس وقت وہ جی سے گذر جاتے تو کیا ہوتا

چوں ایں غزل را تمام کردہ ایں حسن مطلع غزل دیگر روبروے اوشاں خواندم۔

تیرے گل تکیوں کے خاطر یہی لازم ہے کہ ہو
ایک تو شمس کا اور ایک قمر کا تکیہ

ثناء اللہ خاں صاحب فرمودند کہ بعینہ شعر من ست گفتم ارشاد شود ایں شعر خواندند۔

تیرے گل تکیوں کی خاطر تو اب اے راحت جاں
یہ مناسب ہی کہ ہو شمس و قمر کا تکیہ

عرض کردم کہ بندہ شعر آں قبلہ نشنیدہ بود توارد شدہ است لیکن شعر بندہ خوب است
چونکہ کمال منصف اند فرمودند بجاست۔

مجلس نہم

در شاہجہاں آباد روزے بسنت سنگھ کہ نشاط تخلص می فرمایند و شاگرد بندہ اند

نزد بندہ آمدہ ایں مطلع حضرت میر تقی صاحب خواندند۔

یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں　　　　خوش نہ آئی یہ تیری چال ہمیں

و اظہار نمودند کہ جواب ایں بندہ ہم غزل گفتہ مطلعش ایں ست۔

گھر سے اپنے نہ تو نکال ہمیں　　　　یوں جو چاہے تو مار ڈال ہمیں

گفتم بسیار خوب مطلع ست دریں اثنا آوم بیگم صاحب کہ بیغم تخلص میتایند و از بندہ اصلاح

میگیرند آمدہ کاغذ بدست بندہ داد دراں ایں غزل برائے اصلاح نوشتہ بودند

ملتا ہی نہیں سراغ دل کا　　　　ہے عرش پر اپنے باغ دل کا

گر عشق میں بیکلی نہ ہووے　　　　سرسبز رہے یہ باغ دل کا

یہاں آتش ہجر سے شب و روز　　　　دہکے ہے پڑا و جاغ دل کا

ہے بادہ غم سے تیرے ظالم　　　　لبریز مرا ایاغ دل کا

ہے منتنات سے تو بیغم　　　　بخشے تجھے حق فراغ دل کا

و بعد غزل نوشتہ بودند کہ امروز انجابنہ ایں مطلع انشاء اللہ خاں را بر یک کتاب نوشتہ دیدہ بودم۔

کیا فائدہ خالی جو ملاقات کی ٹھہرے　　　　تب خوش ہو مرا دل کہ جب اس بات کی ٹھہرے

انجابنہ در جواب ایں مطلع گفتہ است۔

خالی ہی اگر اُس سے ملاقات کی ٹھہرے　　کافر ہو جو پھر چاہے کہ اُس بات کی ٹھہرے

پس لازم کہ اصلاح نمودہ در جواب غزل و مطلع آں صاحب ہم فکر نمودہ بر نگارند بندہ فی الفور بر پشت ہماں کاغذ ایں غزل نوشت ۔

تا حشر رہے یہ داغ دل کا　　یا رب نہ بجھے چراغ دل کا

ہم سے بھی تنک مزاج ہے یہ　　پاتے ہی نہیں دماغ دل کا

اُس رشک چمن کی یاد میں ہے　　شاداب ہمیشہ باغ دل کا

جلنے کی جہاں میں اسکو لذت　　جس شخص کو ہو فراغ دل کا

معلوم نہیں کسی کو رنگیں　　دے کون ہمیں سراغ دل کا

در جواب مطلع ایں قطعہ نوشتم ۔

اک غرفہ نشیں دیکھ کہا دل نے کہ رنگیں　　کیا خوب ہو گر اس سے اشارات کی ٹھہرے

نوبت جو اشارات تلک پہنچی تو وہ یاں　　اُسنے یہ کہا حرف و حکایات کی ٹھہرے

جب حرف و حکایات بہم ہونے لگے خوب　　بولا کہ کسی طرح ملاقات کی ٹھہرے

مدت میں ملاقات میسر جو ہوئی ہے　　اب دل یہی کہتا ہی کہ اُس بات کی ٹھہرے

مجلس دہم

در شاہجہاں آباد روزے بخانۂ میرزا سبحان قلی بیگ رفتم عجب قسم بمجرد رسیدن بندہ فرمودند کہ دیروز شخصے یک نقل روبروے اینجانب کردہ بود تمام شب در فکر نظم آں بودم

اتفاق نشد گفتم نثر آں ارشاد شود نقل کردند کہ یک شخص رند مشرب بسیار مفلس بود
روزے بزِ شخصے را ذبح کردہ خورد یکے از دوستان او گفت کہ شرم از خدا و ترس از
روزجزا نداری فردائے قیامت چہ جواب خواہی داد گفت منکر خواہم شد مالک بز
درانجا شاہد از کجا خواہد آورد کہ مرا دروغ گو خواہد کرد آں شخص گفت کہ مالک بز از تو
درخواست بز خواہد کرد و بز حاضر شدہ از زبان خود اقرار خواہد کرد کہ مرا ذبح کردہ بود
مرد رند گفت ہر گاہ کہ مالک بز دعوی بز خواہد کرد و بز حاضر خواہد بود پس چہ غم ست
گوش بز گرفتہ بدست مالک آں خواہم سپرد و خواہم گفت کہ مال خود بگیرید ہر گاہ ایں
نقل تمام شد گفتم واقعی قابل نظم کردن ست و دوات و قلم و کاغذ حاضر بود در عرصہ
سہ چہار گھڑی ایں قسم نظم کردم۔

شخص تھے ایک رند وضع لیکن تھے مفلس کمال
کھا گئے وہ ایک کی بکری کو کر کے حلال

اُنکے جو رنگیں تھے یار آکے اُنہوں نے کہا
سنتے ہو اے مہرباں تم کو یہ لازم نہ تھا

رندوں کے مشرب میں ہے خوب ہی تم چھا گئے
مال تھا بیگانہ وہ کیوں اُسے تم کھا گئے

خوف قیامت کا کچھ رکھتے نہیں آہ تم
روز جزا سے کہو کیا نہیں آگاہ تم

روز قیامت کو جب ہونے لگیگا حساب
مجھ کو بتاؤ تو کیا دوگے تم اسکا جواب

سُن کے وہ بولا کہ یار میں تو مکر جاؤنگا
اور مکر کر وہیں جھوٹی قسم کھاؤنگا

کوئی بھلا اُسکا وہاں ہوویگا شاہد کہاں
جھوٹا کریگا وہ شخص مجکو بھلا کیونکہ وہاں

اُسنے کہا سُن رکھو بکری ہی وہاں آئیگی
حال کہے گی وہ سب اور تمہیں جھٹلائیگی

پھر وہ کہیگی یہی میں تو نہ تھی تیرا مال | تو نے بھلا کس لئے مجکو کیا تھا حلال
اُسکا جو مالک ہے وہاں وہ بھی کھڑا ہوویگا | مانگے گا تم سے اُسے اور کڑا ہوویگا
بولے جو اس بات میں ہے نہیں کچھ بیش و کم | تو تو پھر اس بات کا کیجیے ہرگز نہ غم
کیونکہ جو مالک کے پاس ہوویگی بکری کھڑی | تو تو مصیبت نہ کچھ مجھ پہ پڑے گی بڑی
بکری کے دونوں جھپٹ کان پکڑ لونگا میں | ہاتھ میں مالک کے بس جلدی سے پھر دونگا میں
اور یہ کہونگا کہ لے حق ترا اپنا سنبھال تجھے | ہاں بس اللہ کو پھر نہ ستانا مجھے

مجلس یازدہم

در شاہجہان آباد بخانہ مرزا سبحان قلی بیگ راغب بندہ و دو سہ شخص دیگر نشستہ بودیم یکے گفت کہ شعر صاف و دیگرے اظہار کرد کہ شعر تلاش وتہ دار و دقیق معنی دار خوب میباشد و بندہ را منصف نمودند گفتم کہ اکثر در تذکرہ ہا دیدہ ام قدما تعریف شعر صاف نوشتہ اند ایں شعر خاقانی و حضرت شیخ سعدی شیرازی کہ مکرر در تذکرہ ہا دیدہ بودم عرض نمودم ۔ ؎

ہمسایہ شنید نالہ ام گفت | خاقانی را دگر شب آمد
سعدی از داغ جگر سینہ مکش | مکشار وزنِ آتشکدہ را

و اظہار نمودم کہ انتہائے شعر اینست کہ صاف باشد چراکہ عام فہم و خاص پسند میشود سوائے ایں در شعر صاف غلطی محاورہ و اصطلاح و بمعنی نہ میگردد سبب اینکہ در فہم

ہر کس معنی شعر بآسانی می آید آنچہ دراں خوبی و قباحت می باشد جلد دریافت میگردد آنجاست کہ شعر صاف گفتن دشوار است و در شعر دقیق کہ قباحت می آید مردم عام قصور فہم خود دانستہ بہ پرسیدن مدعا خاموش میمانند و مردم خاص از شبہہ می دانند کہ بجاے خود استعارہ کردہ خصوصاً در شعر ہندی کہ دقیق باشد بمردم فہمیدہ جلد قباحت دریافت نہ می شود وجہ ایں کہ دریں زبان کار لغات نیست شعر صاف ضرور است حاضران مجلس فرمودند کہ کدام غزل صاف بخوانید تا ازاں معائنہ شود ایں غزل خواندم۔

عشق میں ترے میرا رنگ زعفرانی ہے
ضعف ہی رفیق اپنا یار ناتوانی ہے

کس سے میں کہوں یہ بات دل نہیں ملا ہیہات
اُس گلی میں ساری رات خاک میں نے چھانی ہے

آئیگا وہ یہاں شب کو مجھسے تو کہے ہے جو
نامہ بر قسم کھا تو اُس کی یہ زبانی ہے

دیکھیو یہ قامت ہے یا بلا ہے آفت ہے
قد نہیں قیامت ہے قہر آسمانی ہے

کہہ چکا ہوں میں سو بار یار و مت کرو تکرار
اُسکی ابروِ خمدار تیغ اصفہانی ہے

یوں کہے ہے وہ بیڈھنگ تیغ کو چڑھا کر سنگ
کیجیے تجھے چورنگ اب یہ جی میں ٹھانی ہے

ہمنشیں نہ کر تاخیر جلد کر مری تدبیر
ہے جنوں گریباں گیر عالم جوانی ہے

کب تلک رہوں جیتا اُس بن اے دل صد چاک
زندگی ہی اپنی خاک خاک زندگانی ہے

سُن کے اُسنے رنگیں آہ تیرا قصۂ جانکاہ
ہنس کے یوں کہا اے واہ زور یہ کہانی ہے

مرزا سبحان قلی بیگ فرمودند کہ دریں ایام در شاہجہان آباد بلکہ در دیگر جاہا نیز برابر میاں نصیر

صاحب کسے شعر ہندی تہ دارد دقیق و مشکل نمیگوید گفتم بلے دریں کار یگانہ زمان و بے بدل روزگار اند فرمودند کہ مطلع اوشاں میخواہم چیزے قباحت اگر بتوانند برآرند گفتم مشق اوشاں ایں قسم نیست کہ دراں جاے سخن باشد و سواے ایں در خدمت اوشاں بندگی دارم چوں اوشاں قسم دادہ ایں مطلع خواندند۔

چرائی چادر مہتاب شب میکش نے جیجوں پہ　　کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پہ

ناچار شدہ گفتم کہ ایں مطلع بہ از مطلع آفتاب ست لیکن مراد دریں تامل ست کہ چادر مہتاب را میکش بر جیجوں چگونہ دزدید اگر بجاے میکش لفظ بادل میبود البتہ بہتر بود۔

چرائی چادر مہتاب شب بادل نے جیجوں پہ　　کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پہ

سبب این ست کہ ہر گاہ ابر بر ماہ می آید البتہ چادر مہتاب نمی ماند گویا دزدیدہ میشود بطور لطیفہ عرض کردم مضمون از عالم بالا و دزد بر زمین یعنی چہ قصہ زمین برسر زمین مضمون عالم بالا را دزد ہم آسمانی بایستے شخصے ایں سخن میاں نصیر صاحب رسانیدہ اوشاں شنیدہ از بندہ آزردہ خاطر شدند بالاے ہزار خرابی در چند مدت تصفیہ نمودم

مجلس ۱۲ دوازدہم

در شاہجہاں آباد سید احمد میر خاں کہ صوبہ دار بودند بر بندہ کمال تفضلات میفرمودند روزے در خلوت اتفاق شعر خوانی بود فرمودند کہ شخصے شعر مرزا جلال اسیر را خواندہ بود مصرع اول از خاطر رفتہ عرض کردم مصرع آخر ارشاد شود فرمودند۔

از قضا ایں قدر نمی آید

بمجرد شنیدن عرض کردم۔

دلبر من ببر نمی آید		از قضا ایں قدر نمی آید

بعد عرض کردن بندہ فرمودند کہ حالا یاد آمد مصرع اوشان ایں بود۔

دلستانم ببر نمی آید		از قضا ایں قدر نمی آید

عرض کردم کہ بجد آنجناب و بہ کلام اللہ قسم ست کہ اگر از کسے شنیدہ باشم یا بجاے نوشتہ از نظر گذشتہ باشد فرمودند کہ اگرچہ مضمون توارد ست لیکن تکلف ایں لفظ کہ دلبر گفتہ اند برائے لفظ ازدلستاں خوب ست آفریں صد آفریں عرض کردم کہ از راہ پرورش ارشاد میشود۔

مجلس سیزدہم

در سہارنپور برفاقت نواب غلام قادر خاں بودم نواب موصوف در عالم طفولیت با بندہ دستار بدل شدہ بودند شعر ہندی خوب میفرمودند تخلص فرخ میفرمودند در ابتدا بندہ را شوق شعر خوانی و شعر گوئی از صحبت اوشاں شدہ بود مرزا عبدالکریم بیگ کہ مردم کاشغر و اتالیق اوشاں بودند روزے ایں مطلع غنی کشمیری را خواندند۔

درون آشیاں از بیضہ تا من سر بر آوردم		ز تیر غمزۂ بیداد خوباں پر بر آوردم

گفتم مرزا صاحب در شعر استاداں دخل بیجا کردن بیجاست لیکن حرف خوب بخاطر گذشتہ فرمودند ارشاد شود گفتم۔

درون آشیاں از بیضہ تا من سر بر آوردم		ز تیر غمزۂ بیداد کیشاں پر بر آوردم

لفظ کیشاں برائے تیر غمزہ پر مناسب ست از انجاکہ مرزائے موصوف بر بندہ مہربانی فرمودند بسیار پسند فرمودند۔

مجلس[۱۴] چہاردہم

در پرگنہ نہ بندہ و محمد خاں صاحب کہ بہار تخلص می فرمایند و پسر عمو صاحب مراد بیگ خاں یک جا باچند کس نشستہ بودیم ذکر بدیہہ گوئی بمیاں آمد شخصے گفت کہ بدیہہ گفتن امر دشوار ست برادر موصوف فرمودند کہ سعادت یار خاں در بدیہہ گوئی دستگاہ خوب دارند آں شخص گفت کہ بارے مصرع ثانی ایں ہم رسانید

ع ۔ راز دل را بکس نباید گفت

شخص مذکور ہنوز تمام نہ کردہ بود کہ جواب دادم۔

راز دل را بکس نباید گفت　　　گر بود ہمنفس نباید گفت

مجلس[۱۵] پانزدہم

در فیروز پور جہر کہ بندہ و مصطفےٰ خاں پسر مراد بیگ خاں و دیگر چند مغل قزلباش باہم نشستہ بودیم یکے از آنہا کہ علی رضا بیگ نام داشت مرد اصفہانی بود شعرہائے اُستاداں بسیار یاد داشت از کنایہ بہ بندہ گفت کہ یک شعر خوب از اُستاد یاد آمدہ است یک مصرعہ آں میخوانم آنجناب ہم شعر میگوئید بارے مصرع ثانی برائے آں بفرمایند

مصرع اولش ایں ست۔

چہ می پرسی ز من حالِ دلِ غمدیدہ‌ات چوں شد

گفتم در فارسی دستگاہ چنداں ندارم مصرعہ بدیہہ میتوانم کہ بہم رسانم لیکن ایں قدر چستی کہ مصرع اُستاد داشتہ باشد معلوم گفت علی اقدر حال خود چیزے ارشاد شود کہ مدعا از امتحان ست گفتم ۔؎

چہ می پرسی ز من حالِ دلِ غمدیدہ‌ات چوں شد
بہ شوقِ فندقِ پایت سرشکِ دیدہ‌ام خوں شد

گفت بارک اللہ بدیہہ خوب ارشاد گردید اگرچہ اُستاد مصرع ثانی بسیار عمدہ دارد لیکن بخونِ جگر بہم رسانیدہ باشد وآں صاحب فوراً ارشاد کردند گفتم مصرع ثانی اُستاد ہم ارشاد شود تا حظے ببرم گفت ۔؎

چہ می پرسی ز من حالِ دلِ غمدیدہ‌ات چوں شد
دلم خوں گشت وخونم آب وآب از دیدہ بیروں شد

گفتم واقعی مصرعِ ثانی لاثانی ست گفت از مشق سابق خود کدام غزل فارسی بخوانید ایں غزل خواندم۔

ہر زماں وصلِ پری رخساری خواہد دلم	وصل می خواہد دل و دلداری خواہد دلم
تا ز اُستادِ محبت درس عشق آموختم	سنگِ طفلاں بر سر بازاری خواہد دلم
چشم زخمے بر جگر ہرگز ندارد آرزو	زخمہا زاں ابروِ خمداری خواہد دلم

تا ز رمزِ قصهٔ فرہاد و قیس آگاہ گشت — دشت خار و دامن کہساری می خواہدلم

شوخ گفت از ناز میخواہد دلت چنداں مرا — گفتمش اے دلربا بسیاری می خواہدلم

تا کہ آگہ از کمال زاہد و راہب شدم — رشتۂ از سبحہ وز ناری می خواہدلم

گرد خوں رنگیں دلم را مصرع اُستاد آہ

یاری می خواہد دلم چوں یاری می خواہد دلم

مجلس[۱۶] شانزدہم

در پرگنہ باول کہ مع ہشتاد و چار دِہ در جاگیر قبلہ گاہ صاحب بود وارد بودم و بر دختر قصاب آنجا بقول سعدی یعنی در ایام جوانی چنانکہ افتد دانی حالتِ عشق داشتم چوں بعد چندے وصل آں میسر آمد اصلاً شہوت نشد سبب اینکہ از پارچہائے آں بوئے بجیدی آمد کہ در نوشتن نمی آید ہر چند تردد کردم چیزے بہ عمل نیامد فی الفور ایں مطلع گفتم۔

ہست بد لِس کنم وکو کنم — لیر جی یار ہا ۔ مہد چوں کنم

مجلس[۱۷] ہفدہم

در کانوڑ برفاقت نواب نجف قلی خاں بودم نواب موصوف مرزا جعفر را بہ شاہجہان آباد رخصت فرمودند بندہ را مع دو صد سوار ہمراہ اوشاں نمودند چوں

به شهر ریواڑی رسید ندراجه آنجاکه مترسین نام داشت بکمال تیاری ضیافت کرد بعد

فراغت طعام صحبت رقص شد نواب مرزا جعفر فرمایش کردند که کدام غزل بخوانید رقاصه

این غزل نواب وزیر الممالک آصف الدوله خواند ؎

جہاں تیغ اُس کی علم دیکھتے ہیں وہاں اپنا سر ہم قلم دیکھتے ہیں

یکے از مصاحبان اوشان گفت که این مطلع محمد امان خان نثار درین زمین خوب ست ؎

جدھر بھر نظر یہ صنم دیکھتے ہیں اُدھر لاش پر لاش ہم دیکھتے ہیں

شخصے دیگر گفت که برین مطلع مرزا رفیع هم خوب ست ؎

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں

مطلع شخصے دیگر خواند ؎

تجھے نقش پہنے جو ہم دیکھتے ہیں تو دشمن کو زیر قدم دیکھتے ہیں

نواب موصوف به بنده فرمودند ایشان هم برین فکر نمایند عرض کردم که این وقت طبع

بطرف رقص مائل ست فرمودند عذر بیجا ست رقص را موقوف کنانیدند ناچار

این غزل نوشتم۔

رقیبوں سے اُسکو بہم دیکھتے ہیں یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں

لگانے بھی دے ہاتھ ابرو کو اپنے ہم اس اصفہانی کا خم دیکھتے ہیں

نہیں ہم سے وہ دل رہا اب تمھارا وہ باتیں بہت اب تو کم دیکھتے ہیں

جو ملتا ہی اُس سبزہ خط سے ہم اُسکا قلم کی طرح سر قلم دیکھتے ہیں

بتوں کا ہمیں ظلم بھاتا ہے تا صبح　　ستم اُن سے گو دمبدم دیکھتے ہیں

جلو مت عبث تم بھلا پھر تمہیں کیا　　جو کچھ دیکھتے ہیں سو ہم دیکھتے ہیں

کبھی وصل کی شب کا تھا دید رنگیں

جن آنکھوں سے اب یہ ستم دیکھتے ہیں

مجلس سیزدہم

در لشکر نارنول نواب اسمعیل خاں بہادر فرود آمدہ بودند بندہ برفاقت او شامل بود روزے برادر محمد یار خاں و بندہ برائے سیر و زیارت درگاہ نظام الدین نارنولی سوار شدیم در راہ شخصے از برادر مذکور آشنائی داشت دو چار شد گفت کہ در اجمیر ذکر اوصاف شنیدہ مشتاق ملاقات بودم بہ حسب اتفاق ملاقات میسر آمد فرمایشے دارم کہ بجا آرید گفتم بچشم گفت کہ مصرع نواب آصف الدولہ شنیدم امید مصرع دگر دارم از کسے جا بہم نہ رسیدہ گفتم بخوانید گفت ع

نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

بعد یک ساعت مصرع بہم رسانیدم ؎

اب کی کچھ اور ڈھب سے آنکھ لگی　　نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی

ایں را شنیدہ بسیار پسند کردہ اظہار نمود کہ چیزے از مشق قدیم باید خواند ایں چند مطلع کہ سر دست یاد بودند در عین رواروی بر زباں آوردم۔

جو نالہ رات کو لب سے نہ ہٹ گیا ہوتا　　تو ساتھ آہ کے سینہ بھی پھٹ گیا ہوتا

توجو کہتا ہے کہ گھر جائیں گے ہم　　تیرا کیا جائیگا مر جائینگے ہم

اے بتجھ بغیر مملکت دل اُجاڑ ہے　　چھاتی پہ رات ہجر کی کالا پہاڑ ہے

بینگی صحبت اُس سے کس طرح کچھ کہہ نہیں سکتے　　وہ ہرجائی ہے اور بن شغل ہم بھی رہ نہیں سکتے

بولنے کی شہر میں یاہم سے ؛ دہائی پھر گئی　　تیرے پھر جاتے ہی بس ساری خدائی پھر گئی

وہاں تو وہ گھر سے کم نکلتا ہے　　اور یہاں اپنا دم نکلتا ہے

آہ کیجے تو آن جاتی ہے　　جو نہ کیجے تو جان جاتی ہے

مجلس ۱۹ نوزدہم

در جے پور بحسب اتفاق بندہ و محمد یار بیگ سائل کہ بعد منعم تخلص میفرمودند نشستہ بودیم و صحبت شعر گرم بود بندہ این مطلع خواندہ

یوں سرشکِ مژہ اب شام و سحر جھڑتے ہیں　　شاخ پر میوے سے جس طرح ثمر جھڑتے ہیں

محمد یار بیگ سائل اظہار کردند کہ مضمون منست گفتم شعر خود بخوانید ایں شعر خواندند ؎

شاخ کو کوئی ہلاوے تو ثمر جھڑتے ہیں　　اپنی ہر جنبش مژگاں سے گہر جھڑتے ہیں

گفتم بندش شعر بندہ معقول ست سبب ایں کہ از ہر شاخ ثمر نمیریزد مگر ہر شاخ کہ پر میوہ باشد انصاف شرط ست ہرگاہ کہ قائل شدند مطابق آں ایں نقل روبروے اوشاں کردم کہ بندہ ایں شعر گفتہ بود ؎

مجھے جو اس پری رونے طلب گار اپنا جانا ہے　　جھڑک کر کیوں نہ بیچے اب خریدار اپنا جانا ہے

شخصے بہ بندہ گفت کہ ایں مضموں را انشاء اللہ خاں دانستہ ایں قسم بستہ اند ؎

دل کو رکھ کر پنجۂ مژگان تر پر بیچیے　　یعنی اپنا مال ہے اس کو جھڑک کر بیچیے

گفتم از بندش بندہ بندش اوشاں خوب ست سبب اینکہ برائے لفظ پاشیدن آب یعنی جھڑک لفظ پنجۂ مژگاں نیز بسیار مناسب بدست آمدہ است از حق نباید گذشت پس ضرور ست کہ از ہر کس مضمون بستہ شود مالک آں ہمانست خواہ توارد باشد خواہ اُستد

مجلس بستم

در حضرت اجمیر روزے نواب قدرۃ اللہ خاں پسر نواب قاسم خاں ایں مطلع شیخ سعدی را روبروے بندہ خواندند۔

سرو سیمینا بہ صحرا میروی　　نیک بدعہدی کہ بے ما میروی

از راه اختلاط گفتم که اگرچه بے ادبی ست لیکن حرف خوب بخاطر گذشته است۔

سرو سیمینا بہ گلشن می روی | نیک بد عہدی کہ بے من میروی

دراں مجلس مغل تازه ولایت که چنداں از ذائقہ شعر آگاہی نداشت واز شعر گفتن بنده نیز اطلاع نداشت گفت که امروز دریافت شد که آں صاحب شعرہم می گویند بارے کدام غزل فارسی از تصنیف خود بخوانید ایں غزل خواندم

دوست یکسو خود ز دشمن کیں نمیخواہیم ما | خاطرے از ما برنجد ایں نمیخواہیم ما

کوچۂ دلدار ما را بہر آسایش بس ست | کشور ایران و ملک چیں نمیخواہیم ما

مژده باد اے زاہد و راہب کہ از روز ازل | بندۂ عشقیم و کفر و دیں نمیخواہیم ما

رہروان منزل عشقیم و در ستے گردش | توسن گردون دوں را زیں نمیخواہیم ما

جامۂ عریانی ما فخر صوف و اطلس ست
زینت از بہر خود اے رنگیں نمیخواہیم ما

ایں را شنیده مجوز شد که غزل دیگر بخوانید ناچار بپاس خاطر یاراں چند شعر دیگر خواندیم

دل بلائیست کہ من میدانم | مبتلائیست کہ من میدانم

کس چہ داند کہ میانِ من و او | ماجرائیست کہ من میدانم

نقش آبست بنائے ہستی | ایں بنائیست کہ من میدانم

دلبرے عشوه گرے بے لکھے | نیز رائیست کہ من میدانم

در حق مغبچگاں پیر مغاں | پیشوائیست کہ من میدانم

چشم میگونش ادائے دارد   چہ ادائیست کہ من میدانم
نیست آسان گذر از دہر کہ ایں   تنگنائیست کہ من میدانم
خاکساری بجہاں اے رنگیں   کیمیائیست کہ من میدانم

مجلس بیست و یکم

درکابل شاہ جیجاہ تیمور شاہ در ۱۲۰۳ھ دوازدہ صد و سہ ہجری اسدیار خاں درانی را کہ مالک یک دستہ یعنی دوازدہ ہزار سوار بود و قابلیت و دانائی از حد زیادہ داشت ایلچی کردہ مع تحفہ و تحائف آنجا نزد پادشاہ عالم شاہ فرستاد خان موصوف بعد از ملازمت حضور سہ ماہ در شاہجہان آباد ماندہ رخصت کابل خواست پادشاہ والد بندہ را مع تحفجات ایں ملک ایلچی فرمودہ ہمراہ مشارالیہ رخصت فرمودند بندہ برادر محمد یار خاں و حق وردی خاں و خداوردی خاں نیز ہمراہ روانہ شدیم لیکن از حضور پادشاہ ارشاد شد کہ نزد وکیل مطلق یعنی پٹیل صاحب کہ از دو لاک سوار مہم راجپوتانہ درپیش وارو شدہ بروند و مہاراجہ پٹیل بہادر حکم حضور رسید کہ ما دولت طہماس بیگ خاں را نزد شاہ تیمور شاہ روانہ فرمودیم آنچہ از باب دیگر درکار داشتہ باشند سرانجام کردہ دہند ہرگاہ از شاہجہان آباد روانہ شدہ بہ نواح کوٹا بوندی رسیدیم تمام ملک از تاخت مرہٹاہا بے چراغ شدہ بود ہزارہا سوار مرہٹا قزاقی می کرد روزے اسد خاں بہ والد بندہ گفت کہ در راہ خطرہ بسیار است لازم کہ از راجہ ایں ملک مردم بطریق بدرقہ ہمراہ

بایدگرفت بندہ اظہار کرد کہ جمعیت مایاں ہم کم نیست احسان ناحق برداشتن
چہ ضرور خان موصوف برآمد سخن ایں شعر خواند۔

سبے پیر مرو تو در خرابات ہر چند سکندر زمانی

حاصل ازیں شعر یو دیعنی در راہ مخاطرہ بے بدرقہ رفتن از دانائی بعید ست بندہ گفت
کہ لفظ خرابات دریں مقام بے مصرف ست اگر ایں قسم بخوانند بہتر باشد۔

بے پیر مرو براہ ظلمات ہر چند سکندر زمانی

لفظ ظلمات ازیں سبب مناسب ست کہ ہر گاہ سکندر قصد ظلمات کرد فرمود کہ
مرد پیر ہمراہ نرود جوانے از پدر پیر خود عشق داشت پدر را در صندوق کردہ ہمراہ
برد چوں نزد ظلمات رسیدہ پادشاہ حیران شد کہ ہر گاہ در تاریکی رفتم چگونہ از ہماں
راہ خواہم گشت ہر کسے تدبیر آں بقدر حوصلہ خود عرض میکرد تشفی پادشاہ نمی شد
مرد جوان صورت حال روبروے پدر بیان کرد پیر تدبیرے آموخت کہ پسند پادشاہ
آمد و ازاں راہے یافت پس اگر شاعر دریں مقام لفظ ظلمات بجاے خرابات می نوشت
خوب می کرد و نیز لفظ ظلمات براے سکندر پر مناسب ست اسد اللہ خاں بسیار پسند کردہ فرمودند

مجلس بست و دوم

در گوالیار ہندو راؤ مرہٹا یک کمپو کہ عبارت از ہفت ہشت ہزار سپاہی ست
بہ برادر صوفی آقا یار بیگ خاں دادہ بود و یک سالہ سواراں ہمراہ بندہ بود مرزا کھو بیگ

کہ شور تخلص میفرمودند بابندہ بسیار ربط دوستی میداشتند واز باعث زور طبیعت کسے را بخاطر نمی آوردند و در یک زمین غزل دہ پانزدہ میگفتند و گاہے بپاس خاطر وگاہ از تبدل اصلاح یک دو غزل میگرفتند لیکن اکثر جا از راہ زبردستی و سرکشی سخن معقول را ہم قبول نمیفرمودند روزے در درگاہ محمد غوث گوالیری نزد بندہ نشستہ بودند پنج شش غزل خود بکمال آب وتاب خواندہ فرمودند کہ غزلہا را ہمیں وقت گفتہ آوردہ ام واگر بخواہم ہشت غزل دیگر ہمیں قسم بگویم گفتم درست ارشاد میشود لیکن غزل مشکل اگر دریک سال ہم شود کمال غنیمت ست بشرطیکہ مشکل باشد وخوب شود بندہ یک غزل بقید حروف کہ از الف تا یا ست در سہ ماہ بہزار خرابی باتمام رسانیدہ ام فرمودند کہ اینجانب در سہ گھڑی در جواب آں غزل نوشتہ میدہم گفتم اگر در سہ سال جواب آں غزل نویسانیدہ دہند۔ بندہ شاگردی قبول کند گفتند بخوانید من ایں غزل را خواندم ۔

اکڑ آفت بھبوکا بل پری پٹکا قبا خاصی | تبر تخنہ ٹھمک ٹھوکر ثنا ثابت حیا خاصی
جبیں جادو چلاوا چھل حیا حیرت خجستہ خو | دھواں دندان ذکا ذواتی رسیلا رخ صفا خاصی
زنخ زیبا ستم سینہ شرر شوخی صفا صورت | ضرورت ضد طرح طوفاں ظفر ظاہر جفا خاصی
عجب عشوہ غضب غمزہ فسوں فندق قیامت قد | کمر کافر گلو گلگوں لچک لاکھوں ادا خاصی

مژہ مژگاں نگہ ناوک وفادہ کچھ ہنسی ہی ہی
یمن یاقوت لب پر صدقے اور نگیں حیا خاصی

بعد شنیدن این غزل فرمودند کہ واقعی بکمال صنعت و بطرز نو گفتہ اند سخت مشکل ست لیکن

من خواهم گفت بندہ مجبور شد دو چہار گھڑی فکر کردند ہیچ بعمل نیامد مہلت سہ روز خواستہ بجاے خود تشریف بردند بعد پنج شش روز کہ ملاقات شد تقاضا کردم فرمودند کہ از خیال رفتہ بود غرض چند ماہ گذشت ہمیشہ میفرمودند کہ فرصت نیست قصہ کوتہ قریبا یک سال گذشت بعد یک سال در جنگ قلعہ چرگانو کہ قریب کالپی ست در حملہ اول بکمال مردانگی شہید شدند کمال تاسف شد حق تعالی غریق رحمت کند۔

مجلس بست[۲۳] و سوم

در کوہ روزے روبروے برادر صوفی اللہ یار بیگ خاں مثنوی پسر تاجر اصفہانی کہ در شاہجہان آباد بموجب فرمایش برادر سبحان قلی بیگ راغب تصنیف نمودہ بودم عرض مینمودم بجاے رسیدم کہ پسر تاجر اصفہانی تباہی کشیدہ ببنارس رسیدہ در انجا از سوداگر دیگر ملاقی شد سوداگر مذکور احوال آں پرسید کہ از کجائی و چہ نام داری۔

بگفتا او کہ با ما چیستی تو — چہ نامی و ز کجائی کیستی تو

نخستیں نام پاکت زود بر گو — وزاں پس حالت خود سر بسر گو

بگفتا مولدم از اصفہان ست — ز نام و جاہ من آگہ جہان ست

عباد اللہ مرزا نام دارم — ہمیشہ با تجارت بود کارم

حساب مال من بیروں ز حد بود — شمار دولتم بیروں ز عد بود

حضرت نواب موصوف فرمودند کہ اگرچہ شاعر نیستم لیکن قافیہ یک شعر خوب بخاطر

رسیده عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں قسم باید گفت ؎

حسابِ مالِ من بیرون ز حد بود   شمار و ولتم افزوں ز عد بود

عرض کردم کہ از حق نباید گذشت واللہ بسیار لفظ عمدہ ارشاد شد سبب اینکہ شعر دو صنعت پیدا کرد یکے اینکہ شعر ذوقافیتین شد و دوم برائے شمار لفظ عد بسیار مناسب ست ہماں وقت در دیوان نوشتم۔

مجلس بست و چہارم

در فرخ آباد مرزا مغل علی خاں و میاں حیدر کہ حیدر تخلص می نمودند و مرزا بر یک جا نشستہ بودم بندہ تعریف شاعری برادر انشاء اللہ خاں نمود میاں حیدر فرمودند کہ ایں جانب در لکھنؤ رونسے بخدمت اوشاں حاضر گردید عرض کرد کہ چیزے از مشق خود روبروے آں قبلہ میخوانم بنظر اصلاح باید شنید چنانچہ یک سلام و دو سہ غزل خواندم چند جا اصلاح فرمودند از خاطر اوشاں امتنا می گفتم لیکن چیزے تشفی نشد چراکہ در دوات من براں اشعار ہا جائے دخل نبود گفتم بخیال آں صاحب نیامدہ باشد در ہر شعر کہ اوشاں میفرمودہ باشند پر مناسب خواہد بود بقول سعدی ؎

شعر گفتن بہ زور سفتن بود   لیک فہمیدن بہ از گفتن بود

باز عرض کردم کہ آنصاحب ہماں اشعار را بخوانید در ہر جا کہ اوشاں گرفت سخن کردہ باشند انشاء اللہ تعالیٰ بندہ ہماں عرض خواہد کرد اول ایں سلام خواندند ؎

اے سعادت یاب درگاہ خدا لیجو سلام　　وے ضیاے دیدۂ خیر الوریٰ لیجو سلام

اے بنی کے جان و دل وے فاطمہ کے نور عین　　ورثہ دار حضرتِ مشکل کشا لیجو سلام

ہرگاہ بریں شعر رسیدند گفتم در ورثہ دار دخل فرمودہ باشند گفتند بلے پس لفظ ورثہ دار چہ قباحت دارد گفتم ورثہ دار آں را میگویند کہ نزد ہر کس اسباب ورثہ امانت باشد در ورثہ دار و وارث بسیار فرق ست قائل شدہ ایں غزل شروع نمودند ؎

ہے کہاں اب تو اے مسیحا دم　　یاد آتا ہے وہ ترا عالم

ہجر میں تیرے ہم پہ کیا گذری　　تجکو معلوم کچھ ہوا اے صنم

ہرگاہ ایں شعر خواندند گفتم در لفظ ہوا اے صنم دخل فرمودہ باشند گفت ایں چہ بدی دارد گفتم لفظ اے از تنگی نشست یافتہ غرض دو سہ جاے دیگر انچہ اوشاں فرمودہ بودند یعنی بے کم و کاست عرض کردم بوجہ احسن تشفی شد معقول شدند۔

مجلس بست و پنجم

در لکھنو بندہ و برادر انشاء اللہ خاں در سرکار مرشد زادہ آفاق میرزا احمد سلیماں شکوہ کہ سلیماں تخلص میفرمایند ملازم بودیم باہم آں قدر دوستی و اخلاص داشتیم کہ در تحریر نہ می آید چنانچہ ایں شعر از آنجناب ست کہ در حق بندہ فرمودہ بودند ؎

عجب رنگینیاں ہوتی تھیں تب باتوں میں اے انشا

ہم مل بیٹھتے تھے جب سعادت یار خان اور ہم

روزے خاں صاحب موصوف در حضور مرشد زادہ حاضر گردیدہ غزل ترجیح خود خواندند مطلعش ایں بود ؎

دیکھ اُسکی ٹری خاتم یاقوت میں انگلی
ہاروت نے کی دیدۂ ماروت میں اُنگلی

بدیہہ بندہ از راہ شوخی عرض کرد کہ اگر ایں مصرع بدارند شعر کمال چستی پیدا کند

بیٹھی ہے پری اپنی دیے۔۔۔۔ میں اُنگلی

چرا کہ باہم ربط بشدت بود کہ مدام شوخی از طرفین بعمل می آمد خندہا با خود کردیم۔

مجلس بست و ششم ۲۶

در لکھنو روزے میاں جرأت صاحب در حضور حاضر گردیدہ غزل خود خواندند مطلعش ایں بود۔

کہیں رونے پہ دلا تجکو نہ دے یار نکال
صدف چشم سے مت گوہر شہوار نکال

گفتم حضرت نکال مصرع اول دریافت نمیشود کہ از خانہ یا از شہر اگر ایں قسم بدارند بہتر باشد

ع۔ کہیں رونے پہ دلا گھر سے نہ دے یار نکال

از انجا کہ میاں جرات بسیار منصف اند کمال پسند نمودند در جواب مطلع بدیہہ ایں غزل روبروے میاں جرات گفتم۔

مجھ پہ کیوں دوڑے ہے تو ہر گھڑی تلوار نکال
قتل کی میرے نئی طرح کوئی یار نکال

اپنی گر حسن فروشی ہی تجھے ہے منظور
تو کوئی چھوٹی سی کھڑکی سر بازار نکال

واسطے بوسے کے یوں دل کو رکھا اُسکے حضور | جیسے کیسے سے رکھے زر کو خریدار نکال
عرش تک پونہچی ہی تو اب تو زیادہ اس سے | پیٹ سے پانوں نہ اے آہ شرربار نکال
جان سے جاؤنگا میں تیرا نہ کچھ جاویگا | مجھے محفل سے خفا ہو کے نہ اے یار نکال
میں جو لپٹا تو وہ گھبرا کے یہ بولے کہ سرک | چھوڑ دے مجکو کسی اور پہ یہ پیار نکال

اُسکے فندق کے تصور میں کہے ہی رنگیں
کوئی لخت جگر اے دیدۂ خونبار نکال

مجلس بست و ہفتم

در لکھنو روزے از مرزا حاجی بیگ ملاقات شد او شاں مطلع میاں جرات و مطلع مرزا جیون کہ رضا تخلص میفرمایند روبروے بندہ خواندند۔ ع

کانوں میں اُسکے پھول نہیں ہیں گلاب کے | ٹکڑے شفق کے پہلو میں ہیں آفتاب کے

مطلع رضا۔ ع

سبزے ہیں اُسکے کانوں میں اس آب و تاب کے | جیسے کہ برگ سبز ہوں نیچے گلاب کے

گفتم کہ ہر دو مطلع بسیار عمدہ اند فرمودند کہ در جواب آنہا فکر باید کرد بعد تامل بہ تبدیل قافیہ این مطلع عرض کردم۔ ع

موتی ہیں دونوں کانوں میں اُس خوش نگاہ کے
چھٹکے ہیں یا کہ تارے یہ نزدیک ماہ کے

مجلس بست و ہشتم

در لکھنؤ مرزا سبحان قلی بیگ آغب از شاہجہان آباد تشریف آوردند در دیوان خانہ میر منو صاحب مولوی میر صاحب علی و برادر انشار اللہ خاں و بندہ برائے ملاقات اوشان رفتیم بعد از پرسش احوال فرمودند شب ایں غزل گفتہ ام ع

باده ناب دلم می خواہد

گفتم مصرع دوم ایں گفتہ باشید۔ ع

عالم آب دلم می خواہد

فرمودند کہ واللہ ہمیں گفتہ ام و فرمودند کہ حسن مطلع این ست۔ ع

سخت تنگ آمدم از تاریکی

گفتم مصرع ثانی ایں باشد ع

سیر مہتاب دلم می خواہد

اظہار کردند کہ باللہ ہمیں نوشتم غرض کہ ہمیں قسم از پنج شعر غزل سہ شعر را مصرع ثانی بے کم و کاست فوراً گفتم و دو شعر را مصرع ثانی سوائے نوشتہ اوشاں بہم رسانیدم شخصے گفت کہ شاید اوشاں شنیدہ باشند ہر چند بندہ قسمہا یاد کرد اعتبار نہ کرد و گفت اگر مسودہ بینم یقین گردد و چوں مرزا موصوف برآوردند بموجب گفتہ بندہ دریافت کردہ تعجب نمودہ متحیر ماندند۔

مجلس بست و نہم

در لکھنو روزے حضرت مرشد زادہ از محل بر آمد نشدہ بودند ابو الحسن خاں وطالب حسین خاں و مرزا نعیم بیگ و میر انشاء اللہ خاں و بندہ و دیگر صاحبان امیدوار مجرا بودیم از ابو الحسن خاں و بندہ خوش طبعی بکمال شوخی بود فرمودند کہ دریں ایام ایشاں دیوان ہزل در جواب صاحبقراں کہ مشتاق ہزل اند گفتہ اند دو مطلع اوشاں یاد دارم مثل اوشاں ممکن نیست کہ از شما بہ عمل آید بعد قطع کلام ایں ہر دو مطلع را خواند

ہے جی میں کالی چمپا کو ہمخواب کیجیے — تیغ ذ—کو اپنے سینہ تاب کیجیے
یوں گرمی دانے ہیں ترے چے کے آس پاس — خشخاش جوں لگی ہو کلیچے کے آس پاس

گفتم در شعر اول چہ قباحت ست کہ کسے تیغ را سینہ تاب نمیکند مگر قبضہ می شود و در شعر دوم تامل ست کہ خشخاش را بر کلیچہ می چسپانند نہ گرد و پیش ایں ہم غلطی محاورہ است بعد آں ایں مطلع و حسن مطلع گفتہ عرض کردم کہ اگر ایں قسم میفرمودند بہتر بود۔

سینہ تل ہیں یوں اُسکے ——کے اوپر — گلو بجنی ہو جیسے کیچے کے اوپر
نہیں —پہ وشن کی —ں کا بھجا — یہ خس کا ہے پردہ دریچے کے اوپر

پسند کردہ فرمودند کہ کدام غزل ہزل خود بخوانید ایں غزل خواندم۔

نفس اپنا جو یہ ہے شاخ شجر کے مانند — ——دو اسمیں لٹکتے ہیں ثمر کے مانند
وہ سحر خیز ف— ہے یہ جنونی جس نے — چاک —ں کے کئے جیب سحر کے مانند

اُسنے پھوڑے ہیں غرض لاکھوں ہی ـ ل کے سر
گرز لند ہور ہیں میرے ذ ــ کے مانند

ہے وہ سانچے کا ڈھلا نفس یہ میرا جسکی
جڑ ہے مانند سرا ور سر ہے کمر کے مانند

تجکو دینا یہی لازم ہے کہ لے جھاڑ آمیٹ
ــــ تری بہتی ہے اب دیدۂ تر کے مانند

چشم غواص ــ سے مرے پوشیدہ ہے
صدف ــ میں ــ ن تیری گہر کے مانند

آکے ہر کوئی مسافر سا گذر جاتا ہے
ــــ تیری ہے بس اک اہ گذر کے مانند

تجھ پہ نازک بنی ختم ہے یہ جان یقین
برگ گل کب ہے تری ــــ کی کمر کے مانند

شب جو منزل میں ہوا نقد ــــ سے رنگیں
بھر گیا خانۂ ــــ بدرۂ زر کے مانند

بعد آں مجوز شدند چند مطلع دیگر خواندم ـ

یوں در ــ میں ــ جا کے یہ ناشاد ہوا
جوں قدم رکھتے ہی دروازے پہ شداد ہوا

دیگر

دھرالویں ہیں نے شب آ ــ کو اُسکی ناف کے اوپہ
لکھے جس طرح انگلی کوئی حرف قاف کے اوپہ

دیگر

ــ حفیظن کی شگفتہ کیوں نہو گل کی طرح
سبز چھا ــ اُس پہ اہرتی ہے سنبل کی طرح

دیگر

شست آ ــ یوں ہوئی جا کر ــ کن متصل
جوں پہنچ کر کوئی مر جائے وطن کے متصل

یوں لگے ہیں — اپنے نفس متوالے کے ساتھ   جس طرح سے فوٹھل لگتے ہیں اک ڈولے کے ساتھ

مجلس سی ام [۳۰]

در لکھنؤ روزے مرشد زادہ آفاق در خلوت رقص ارباب نشاط ملاحظہ میفرمودند میر انشاء اللہ خاں و میاں جرأت و میاں مصحفی وغیرہ چند اشخاص حاضر بودند از حضور ایں مصرع ارشاد شد ع

یک قلم گشت مرا نقشۂ تصویر کسے

ہمہ صاحبان در فکر بودند کہ مصرع دوم بہم رسانند دریں اثنا بندہ رسید مجرا نمود از حضور ارشاد شد ایشاں مصرع ثانی بہم رسانند فوراً عرض کردم - ع

کرد زنجیر بپا زلف گرہگیر کسے

مجلس سی و یکم [۳۱]

در لکھنؤ قاسم علی شاہ کہ از چندے روزگار حضرت مرشد زادہ را گذاشتہ ترک لباس کردہ اند و از عالم دنیاداری رو گردانیدند بر بندہ مہربانیہا میفرمودند روزے تشریف آوردہ ارشاد فرمودند کہ برائے کار ضروری آمدہ ام عرض کردم ارشاد شود فرمودند کہ ایں وقت نزد مرزا احمد علی خاں نشستہ ذکر ایشاں مینمودم کہ شخصے از مصاحبان اوشاں ایں مطلع میاں منتظر کہ شاگرد میاں مصحفی اند خواند - ؎

نہ تو عشق سے مجھے عشق ہے نہ تو چاہ کی مجھے چاہ ہے
وہ جو بات منہ سے نکالی تھی سو اُسی کا اب یہ نباہ ہے

مرزائے موصوف پسند کردہ فرمودند کہ شاہ صاحب تعریف رنگیں ایں قدر کردہ اند شوق ملاقات اوشاں از حد افزوں ست ہمیں وقت اوشاں را بیارید از اوشاں در جواب ایں مطلع غزل خواہم کنانید تا امتحان شود ایں فقیر از مزاج من آگاہی داشت عرض کرد کہ نخواہند آمد اگر بفرمایند غزل از وشاں نویسانیدہ بیارم فرمودند کہ بہتر پس آمدہ گفتند ناچار بپاس خاطرش گفتم و گفتم کہ غزل خاطر خواہ خود نشدہ۔

نہ تو بتکدے ہی کی چاہ ہے نہ تو کعبے پر ہی نگاہ ہے
یہ جو شخص نامہ سیاہ ہے اسے اپنے دل ہی سے راہ ہے

نہ تو کچھ کلیجے میں درد ہے نہ کچھ اپنا رنگ ہی زرد ہے
مگر آہ لب پہ جو سرد ہے تو یہ ایک ڈھب کی کراہ ہے

نہ تو معتقد ہوں میں ذات کا نہ ہے دھیان مجکو صفات کا
میں تو قائل اپنی ہوں بات کا کہ ہمیشہ جس کا نباہ ہے

نہ تو رابطہ مجکو ہے عام سے نہ غرض ہے کچھ مجھے نام سے
مجھے کام اپنے ہے کام سے مرا حق ہی میرا گواہ ہے

نہ تو اپنے جی کا اُسے خطر نہ ہے اپنے حال کی کچھ خبر
کرو عشق ور نگیں پہ گر نظر تو نہ کوہ اور یہ کاہ ہے

مجلس سی ودوم ۳۲

در لکھنو در حضور مرشدزادہ منشی میر حسین کہ منشی تخلص میفرمایند این مطلع

میاں مصحفی را عرض کردند۔ ؎

ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھالے ‌ ‌ ‌ او دامن اُٹھا کے جانے والے

صاحب عالم در جواب مطلع بدیہی ارشاد کردند۔ ؎

عقبے کے لئے بھی کچھ کمالے ‌ ‌ ‌ او تاج شہی کے رکھنے والے

من این مطلع عرض نمودم۔ ؎

یہاں جان کے پڑرہے ہیں لالے ‌ ‌ ‌ دل کو کوئی کس طرح سنبھالے

مرزا نعیم بیگ کہ جوان تخلص میکنند فوراً عرض نمودند۔ ؎

ہونٹوں میں جو چاہے بڑبڑالے ‌ ‌ ‌ مت بکیو زیادہ اور جالے

مجلس سی وسوم ۳۳

در لکھنو روزے بوقت دو پہر خلاف عادت در دیوان خاص رفتم دیدم کہ حضور مرشدزادہ تنہا در کمال فکر و اندیشہ نگران بجانب گلشن بودند مجرا نمودہ عرض کردم تحیر از چیست ارشاد شد کہ میخواستم کہ استراحت نمایم یک بیک مصراع بخاطر گذشت خواستم کہ مصراع ثانی خاطر خواہ بہم رسد اتفاق نہ شد بحال بیقراری در فکر مصراع ثانی بودم

عرض کردم ارشاد شود فرمودند ؎

منزل عشق ہے سخت اے دلِ رنجورِ دراز

گفتم -

تجھ میں طاقت نہیں مت کر سفرِ دور دراز

شخصے از خواصان عرض کرد کہ دریں مصراع غلطی روزمرہ است یعنی در لفظ دور و دراز واو عطف ضرور ست گفتم در بدیہہ جائز ست حضور فرمودند درست ست -

مجلس سی و چہارم

در لکھنؤ روزے حضرت صاحب عالم در باغ فتح علی خاں کہ جائے تحفہ است برائے سیر رونق افزا شدہ بودند در اثنائے راہ ایں مطلع ارشاد شد ؎

نہ تو سیرِ گل کا دماغ ہے نہ جہاں سے رنگ فراغ ہے

یہ جو اپنے سینے کا داغ ہے یہی گل ہے اور یہی باغ ہے

انشاء اللہ خاں و بندہ بریک فیل ہمراہ رکاب حاضر بودیم بسیار تعریف نمودیم کہ چہار قافیہ در مطلع بکمال چستی نشست یافتہ فرمودند کہ در جواب ایں فکر باید کرد عرض کردم بشرط تبدیل قافیہ انشاء اللہ خاں ایں مطلع عرض کردند ؎

نظر اپنی اُس سے جو لڑ گئی تو وہ چتون آنکھوں میں گڑ گئی

مژہ دل میں ایسی ہی اڑ گئی کہ جو بات تھی سو ٹھہر گئی

من این دو شعر عرض کردم ۔

یہ دل اپنا جسکا غلام ہے اجی قاتل اُسکا ہی نام ہے
اُسے ہم سے چھیڑ مدام ہے ہمیں کام اپنے سے کام ہے

مرا دم تو آیا ہے ناک میں نہیں باقی ذرہ ہلاک میں
مجھے یوں ملا دیا خاک میں ارے عشق تجھ کو سلام ہے

مجلس سی و پنجم ۳۵

در لکھنو بہ شادی پسر رام رتن مودی پادشاہی بندہ و ابو الحسن خان بر پشت بام نشستہ بودیم و در روبروے مجلس زن مہتاب نام طوائف واقعی بہتر از ماہ بود بکمال خوبی مجرائی نمود چوں طرف او نگاہ کردم دل از دست رفت بدیہہ این مطلع گفتم و بآواز بلند از بیقراری خواندم ۔

تھی شعلہ یا وہ برق کہ جی میرا جل گیا ایسی ہی کی نگاہ کہ بس دم نکل گیا

مجلس سی و ششم ۳۶

در لکھنو روزے بہ دربار شہزادہ می رفتم مرزا نعیم بیگ جوان از دربار بر آمدہ شدہ می رفتند در راہ ملاقی شدند گفتند کہ ہمیں وقت مطلع گفتہ ام ۔

سیہ خال اس طرح سے ہینگے اُسکی ناف کے اوپر دیئے ہوں میر علی نے جلیسے نقطے قاف کے اوپر

وانشاء اللہ خاں این مطلع گفتہ ؎

دھرا جب نقد دل ہم کھول اُسکی ناف کے اُوپر | تو پھیروں کیوں نہ ہاتھ اُس سینۂ شفاف کے اوپر

گفتم ہر دو مطلع خوب بود در مطلع سامی عین علی از تنگی نشست یافتہ اگر مناسب باشد

این قسم باید نوشت

رشیدا نے دیئے ہوں جیسے نقطے قاف کے اوپر

پسند فرمودند وگفتند کہ شما ہم دریں زمیں فکر نمائید گفتم ؎

پڑی یوں میری انگلی شب کو اُسکی ناف کے اوپر | کہ جیسے کاف کا مرکز ہو گل کے کاف کے اوپر

مجلس سی و ہفتم

در لکھنؤ روزے میاں جرأت بحضور حاضر گردیدہ این مطلع عرض کردند ؎

کب تک ایام جدائی میں رہوں من مارے | آئے اے کاش وہ آکر مجھے گردن مارے

در جواب از حضور ارشاد شد ؎

کاش اک کھینچ کے تیغہ دمِ رفتن مارے | نام جانے کا نہ لے اور نہ مجھے گردن مارے

میر انشاء اللہ خاں این مطلع عرض کردند ؎

کیوں نہ وہ شوخ مجھے کھینچ کے سمرن مارے | میں نے بھی بھول کئی جانب چلمن مارے

بندہ این مطلع گفت و بعد آں غزل ؎

در پہ اُس شوخ کے ہم بیٹھے ہیں آسن مارے | خواہ بخشے ہمیں اب خواہ وہ گردن مارے

تمامی غزل در دیوان نوشتہ است۔

مجلس سی و ہشتم ۳۸

در لکھنؤ روزے انشاء اللہ خاں نزد بندہ تشریف آوردہ ایں مطلع غزل طرحی خود خواندند۔

توڑونگا خم بادۂ انگور کی گردن | رکھدونگا وہاں کاٹ کے اک حور کی گردن

بندہ ایں مطلع و حسن مطلع گفت۔

سانچے میں ڈھلی ہے یہ تری نور کی گردن | گردن کو تری پونہچے ہے کب حور کی گردن
کیا دست قضا نے یہی قسمت میں لکھا تھا | دھڑ سے نہ ملے اس ترے مغفور کی گردن

مجلس سی و نہم ۳۹

در لکھنؤ روزے صاحب عالم در دیوان خاص رونق افزا بودند منشی میر حسین و نعیم بیگ و بندہ استادہ بودیم انشاء اللہ خاں حاضر شدہ مجرا نمودند فقرہ بے نقطہ را بطور لطیفہ در فارسی گفتند ارادہ مسہل دارم سائل در جواب بے نقط شدند فوراً از حضور ارشاد شد کل لو میر حسین بزبان عربی بے نقط گفتند کہ اولی واحوط بندہ بزبان ترکی جواب داد کہ آل یعنی بگیر نعیم بیگ در معنی جواب بندہ فرمودند کہ صنعتے بر آوردم لفظ بگیر چہار حرف ار دو بے نقط و دو نقطہ دار ایں را گنگا جمنی باید گفت

مجلس چہلم

در لکھنؤ بندہ را از زنکہ طوائف حالت عشق بود از پاس خاطر آں از صاحب خانہ او ربط داشتم و گاہے برائے دیدن او میرفتم مقدور نبود کہ وصل آں میسر آید و ایں راز را بکسے اظہار نمیکردم ہمدریں عرصہ دو سال گذشت روزے از حضور اجازت رفتن از شاہجہان آباد گرفتہ روانہ شدم برائے رخصت بخانہ آں رفتم بسکہ غلبۂ شوق طالب بود بمجرد رسیدن بخانہ او زار زار بگریستم بے محابا آہ سرد کشیدم صاحب خانہ او پرسید کہ حالت از بہر کیست مطلع حسب حال خود خواندم۔

دیکھتے ہی شکل سب جاتا رہا ہے یاد سے
حال دل کیونکر کہوں اُس خانماں آباد سے

او گفت درینجا از مدت تشریف می آرند نگفتند کہ از فلانے تعشقے دارم بعد آں ایں غزل بر دیوار خانہ نوشتم۔

اب ہوئی ہمکو سخت حیرانی
چاہ چتون سے اُسنے پہچانی

نہ رہا میرے پاس پر نہ رہا
دل کی ہر چند کی نگہبانی

جی کی بات اپنے رہ گئی جی میں
یوں یہاں سے چلے ہم اے جانی

دیکھیے پھر خدا ملا دے کب
ہم کو اس فکر نے کیا فانی

جی میں انصاف کیجیے اپنے
تم نے رنگیں کی قدر کیا جانی

مجلس چہل و یکم

در لکھنؤ روئے حضرت مرشدزادہ در باغ لکھیڑہ فتح علی خاں رونق افزا بودند برادر صوفی اللہ یار بیگ خاں و طالب حسین و نعیم بیگ باہم نشستہ بودیم بندہ اوراق راقمی نوشت عوض علی بیگ کہ داروغہ اصطبل حضور بودند آمدہ اظہار کردند کہ یک شعر ابوالحسن خاں یاد بود مصرع اول فراموش شد مصرع ثانی این ست

سر پہ آئی فصل گل اور پاؤں میں زنجیر ہے

فوراً ایں مصرع بخاطرم گذشت۔

اے دل دیوانہ کہہ اب کیا تری تدبیر ہے

مجلس چہل و دوم

در لکھنؤ روئے بخانۂ نعیم بیگ ارد گردیدم اوشاں اظہار کردند کہ شب یک نقل شنیدہ ام شما ایں را نظم کردہ دہید گفتم ارشاد شود تمامی احوال بیان کردند بندہ آں را نظم کردہ در ایجاد رنگیں نوشت۔ ع نقل کرتے ہیں مسافر ایک تھا

مجلس چہل و سوم

بہ فیض آباد در محفل نواب مرزا تقی نشستہ بودیم میر مستحسن کہ خلیق تخلص میفرمایند

پسر میر حسن بے نظیر وارد شد بندہ را از کہانی بے نظیر عشق بود بسیار صحیح و تحقیق نمودہ نوشتہ ام تاہم چند جا شبہہ داشتم از اوشاں احوال چند شعر پرسیدم کہ تشفی گردد

مغرق جواہر سے اک جفت کفش ۔ نہ وہ مفت پا بلکہ پا مفت کفش

دیگر

کہا اس نے اس سے کہ سچ سچ ہے یہ ۔ دیا پہ چھیڑ سے نہ کچھ مرے کچھ ہے یہ

دیگر

کھڑے ار نے ہوتے تھے سر جوڑ جوڑ ۔ کہ جی کون دیتا ہے دبدبے کے ہوڑ

دیگر

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار ۔ نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

گفتم معنی شعر اول دریافت نمیشود و قافیہ شعر ہا ہم بطور دیگر باشند البتہ آں صاحب آگاہی میدارند چیزے بہ چیزے بیان نمودند و چند جائے دیگر ہم تسلی نہ شد

مجلس چہل چہارم

در الہ آباد بمدو ریختہ بسلسلہ زیارت درگاہ رفتم در انجا یک کودکے رقص می کرد و ایں مطلع میاں مصحفی میخواند

گل کہا مو سا تھے جنکے لیے جسم نزار پر ۔ دو پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر

شخصے گفت تا بریں محمد امان نثار خوب گفتہ اند

تم رات کو بھی آئے نہ اپنے قرار پر
یہ ظلم تم نے کیا کیا اس بے قرار پر

فوراً در جواب دو شعر گفتم ؎

ہم جوں چکور غش ہیں اجی ایک یار پر
بلبل کی طرح جی نہیں دیتے ہزار پر

پا بوس یار کی ہیں حسرت ہے اے نسیم
آہستہ آئیو تو ہمارے مزار پر

مجلس چہل و پنجم

در بنارس بخدمت نواب نصیر الدین خاں پسر نواب علی ابراہیم خاں مالک عدالت آنجا بسیار بندگی داشتم روزے واجد علی خاں و حکیم جعفر و بندہ و چند اشخاص دیگر در خلوت نشستہ بودیم ہر یک در سخن گوئی دستگاہ خوب داشت نواب موصوف ذکر شاعری مرزا رفیع برآوردند و تعریف میکردند شخصے در آں میاں کہ از بندہ کدورتے داشت سخن تا باینجا رسانید کہ مثل اوشاں ممکن نیست کہ پیدا شود گفتم کہ شاعران سابق و حال در و سر ناحق پیدا کردہ اند و گفت ؎

حریفاں بادہا خوردند و رفتند
تہی خمخانہا کردند و رفتند

گفتم ایں را ایں طور شنیدہ ام ؎

حریفاں بادہا خوردند و ہستند
تہی خمخانہا کردند و مستند

گفت کجا اند چوں مکرر تکرار کرد ایں شعر سعدی خواندم ؎

جہاں راندار ندبے کتخدا
یکے چوں رود دیگر آید بجا

گفت ایں درحق پادشاہاں ست گفتم ایں درحق شاعراں باشد ؎

ہنوزاں ابر رحمت دُرفشان ست　　　خم وخمخانہ با مہر ونشان ست

گفت درکلام اوشاں غلطی محاورہ وخلل الفاظ اصلانیست ولہجہ اُردوے معلی را جلا

دادہ اند وملک الشعرا گذشتہ وحکم آیت وحدیث دارد ودراشعار ہاے دیگرشاعراں

چند نقصان ست گفتم مقدمۂ شاعری بسیار مشکل ورطب ویابس درکلام ہمہا ست ؎

شعرگرا عجاز باشد بے بلند وپست نیست　　　در ید بیضہ ہمہ انگشتہا یک دست نیست

گفت ایں سواے مرزا رفیع درحق شاعران دگرست ازیں سخن تاب نیاوردم وگفتم

کہ مطلع ومقطع غزل اوشاں یاد دارم ؎

نگرآباد ہیں بسے ہیں گانو　　　تجھ بن اُجڑے پڑے ہیں اپنے بھانو

قیس وفرہاد کا نہیں کچھ ذکر　　　اب توسودا کا باجتا ہے نانو

قطع نظر از لفظ نگرو تجھ بن وبھانو قافیہ مقطع را باید دید کہ نام را نانو گفتہ اند پس ایں کلام

عربی وترکی نیست کہ درفہم نیاید زبان روزمرہ است گفت کہ اگر در دیوان دریک غزل

از غلطی او سہو شدہ گفتم شعر دیگر یاد دارم ؎

ساق سیمیں کوتری دیکھ کے گوری گوری　　　شمع مجلس میں ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

گفتم بر قافیہ غور باید کرد گفت در زبان بھاکا رڑے را رے میگویند وبدل میکنند گفتم

دروغ گورا حافظہ نمی باشد اوشاں در زبان ریختہ غزل میگفتند یا در بھاکا مشق

میکردند مطلع دیگر یاد دارم ؎

عاشق تو نامرادہیں بس اس قدر کہ ہم　　　دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم

گفتم بر قافیہ ایں غور باید کرد بعد قطع کلام نواب صاحب بندہ را پسندیدند۔

مجلس چہل و ششم

در بنارس بندہ و برادر مرزا ابراہیم بیگ کہ با بندہ دوستانہ دل اند و شخصے چند و زنہائے طوائف نشستہ بودیم صحبت اختلاط گرم بود از اں میاں یک زنکہ دست بندہ را گرفتہ پرسید کہ بر دست ایشاں گل برائے کیست پیش او ایں اشعار خواندم ؎

اس اپنے ہاتھ کے گل کی کہوں کیا اک کہانی ہے　　　نشانی اسکی چھلا تھا یہ چھلے کی نشانی ہے

مجلس چہل و ہفتم

در بنارس روزے مرزا الٰہی بخش کہ از دوستان مرزا ابراہیم اند و از چندے بر فاقت مرشد زادہ ترک لباس نمودہ اند ایں مطلع میر حسن مرحوم روبروے بندہ خواندند ؎

منہ کہاں یہ کہ کہوں آیئے اور سو رہیئے　　　خوب گر ضد ہے تو جایئے اور سو رہیئے

در جواب ایں مطلع گفتم ؎

میری چھاتی سے لپٹ جایئے اور سو رہیئے
آیئے آیئے بس آیئے اور سو رہیئے

تمام غزل در دیوان ست۔

مجلس چہل و ہشتم

در عظیم آباد بخانۂ میر غلام علی خاں وارد گردیدیم در شہر شہرت شد کہ شخصے شاعر
از شاہجہان آباد آمدہ است روزے پنج شش شاعراں رسیدہ نزد بندہ نشستند
شخصے از شاگردان میر ضیاء الدین کہ ضیا تخلص میکنند و مشق از مرزا رفیع دارند با پنج
چہار کس دیگر رسیدند و بمجرد نشستن فرمودند کہ در شعر دستگاہے خوب داری و اکثر در
کلام ہر یکے قباحت می برآری میخواہم کہ چیزے از ایشاں بشنوم و از کلام استاد خود
بخوانم تا در آں قباحت برآرند گفتم من عیب جوے خلق اللہ نیستم و خود را مبتدی
می انگارم ہر چند عاجزی و کسر نفسی نمودم سود نکرد گفت از اشعار خود بخوانید غزل خواندم

کس رات مرے آپ ہیں مہماں ہمارے — کب تم نے نکالے کہو ارماں ہمارے

چوں تمام نمودم تحسین نکرد گفت مطلع میر ضیاء الدین میخوانم دراں قباحتے برآرند والا
احوال شاعری و شعر فہمی سرکار فسق ست مطلع خواند

بلبل کو چپکی لگ گئی اور گل بھی ہنستا بھولے — گلشن میں کون آیا جو یہ شگوفے پھولے

گفتم مصرع آخری خوب ست گفت مصرع اول بد گفتم مصرع ثانی چست گفت
مصرع اول سست دیدم کہ تیغ سخنم نمی برد و آتشم در سنگ نرم ترا اثر نمیکند گفتم بلے کہ

آہن بہ آہن تواں کرد نرم

گفت چگونہ گفتم چپکی لگ گئی نہ فہمیدہ ام گفت یعنی چپ لگ گئی گفتم ایں نثر کہ ارشاد

می شود زبانِ اہل کشمیر ست گفت او در بحر چگونہ موزوں شود گفتم در خیالش نیامد والا
ایں طور می شد

بلبل کو لاگ گئی چپ اور گل بھی ہنسنا بھولے

باز گفت کہ شعر سرو ست بزبان آمد گفت اگر دریں شعر قباحتے برآرند بدانم ؎

ڈبڈبائی آنکھ آنسو تھم رہے
کاسۂ نرگس میں جوں شبنم رہے

گفتم در شعر ہندی ہر جا تمثیل می آرند معمول ست کہ مقابل جوں یوں ایسے جیسے و اِس
طرح جس طرح ضرور می آرند کہ شعر بے رونق نہ گردد چنانچہ غزل بندہ است۔ ؎

سیہ خال اُس کے یوں رخسار پر ہیں کان کے آگے
ملنگ اڑ جائے ہے جیسے کسی دوکان کے آگے

غزل تمام در دیوان است گفت آں لفظ در بحر گنجایش نداشت گفتم ایں قسم میتواند شد

اشک اگر چشم میں یوں تھم رہے

گفت لفظ ڈبڈبا از دست می رفت گفتم ایں قسم باید گفت۔

ڈبڈبا کر اشک پھر یوں تھم رہے

سوائے ایں مصرع ثانی را چہ باید کرد کاسۂ نرگس سرنگوں میباشد شبنم دراں چگونہ
قرار گیرد بمجرد شنیدن ایں آواز آفریں از مجلس برخاست و مدعی وقت یافتہ گریخت

مجلس جہل و نہم

در عظیم آباد در انجا وارد گردیدم کاظم علی خاں پسر نواب فخر الدولہ از کمال تیاری

ضیافت بندہ فرمودند ارباب نشاط و مردم دیگر بسیار بودند بعد فراغت طعام و رقص و ذکر شعر شاعری بمیان آمد خان موصوف فرمودند کہ چیزے از تصنیف خود بخوانید اشعار خواندم

ہوا نکلتی ہے جراح زخم سینے سے   بس اب تو ہاتھ اٹھا ظالم اسکے سینے سے

تمام غزل در دیوان ست محمد قلی خاں کہ راغب تخلص میکنند تشریف داشتند بعد اتمام غزل گفت کہ مراد مطلع غزل تامل ست گفت ہر گاہ کہ از زخم ہوا بر می آید می میرد پس بعد مردن چگونہ ایں مصرع بر آمد گفتم جائے تامل نیست مضمون پیش پاست اگر بفرمایند ہزار شعر ہندی و فارسی در سند بخوانم یکے این ست ؎

مردہ ام لیک غم روے تو دیدن باقیست   از فراق تو یکے آہ کشیدن باقیست

کاظم علی خاں از بندہ فرمودند کہ محمد علی خاں در نشا شراب با صاحب گران خاطر شو گفتم تقصیر ست

مجلس پنجاہم

در عظیم آباد از طوائف زنے دلبستگی داشتم روزے بخانہ او نشستہ بودم خواستم کہ برخیزم رفتن نداد یک بار ایں مطلع خواندم ؎

ہو مجکو جو رخصت تو ابھی ہو کے پھر آؤں   جا گھر کو یہ کہ منہ سے میں صدقے ترے جاؤں

گفت کہ صلاح شعر ہمین ست کہ برو۔

مجلس پنجاہ و یکم

در عظیم آباد ببر علی خاں بسیار دوست بندہ بودند و اکثر بیست و دو ہرہ شوق مفرد داشتند

پیش بندہ ایں کبت خواند۔

چاونری گھر بیٹھ رہو کن پاری ہو بیچ بٹھاون کو

آسنے دے تو آہگی البیلی للا انھیں کون کہے سمجھاون کو

اُن کے رس ہیں رس ریت نہیں رس ریت ہی ریت جتاون کو

اے جی پیاسے کنواں پر جاتے سنے تک آوے کنواں موہے پیاون کو

اگرچہ بندہ دریں فن دستگاہے نداشت برائے تفنن طبع ایں کبت بدیہہ در جواب گفتم

ایسے پیتم موسے روس رہے ہیگی ٹھاری ہو جاوں ہے لاؤ سکھی

اٹکھیل ہیں وے البیلی للا ون ہی کو نوطرح سمجھاؤ سکھی

بمجرد شنیدن ایں را نوشتہ گرفتند و گفتند چند دوہرہ بخوانید چند دوہرہ خواندم۔

نگیں بیاکل رہت ہیں جب سے لاگی پیت	پیم نگر کی اے سکھی دیکھی اُلٹی ریت
نگیں آئے نہ اے سکھی بھلے گئے پردیس	نگر نگر اب ڈھونڈھتی کر جوگن کا بھیس

مجلس پنجاہ و دوم

در عظیم آباد کہ میلہ کھاٹوں می شود دراں تمام مردم وضیع و شریف و زن و مرد در باغہا رفتہ چند روز می باشند و رقص و تماشا می بنیند بندہ را کہ از چندیں صاحبان آنجا ربط شدہ بود باہم در سیر کھاٹوں بہ باغہا رفتہ گلگشت مینمودم مکانیکہ نواب شجاع قلی خاں ولد نواب منیر الدولہ نشستہ بودند روبروے اوشاں امام بخش بھانڈ کہ در شوخی رقص

وخواندن آفت زمانہ بود ونقلہا عجیب عجیب میکرد بھانڈ مذکور بخدمت نواب عرض نمود کہ غزل ریختہا بسیار شنیدہ اند اگر حکم شود ریختی بخوانم فرمودند ریختی چہ معنی دارد عرض کرد کہ رنگین نام شاعرے در شاہجہان آباد دریں ایام ایجاد کردہ است یعنی بزبان بیگمات غزلہا گفتہ ریختی نام نہادہ است۔

ٹیس پیڑو میں اٹھی اوہ مری جان گئی ‏ ‏ مت ستا مجکو دوگانا ترے قربان گئی

اشخاصاں کہ دراں تماشا ہمراہ بندہ بودند پرسیدند کہ ایں تصنیف ایشان ست گفتم بلے یک دیوان گفتہ ام مع قصیدہ مثنوی و فرد و رباعی و قطعہ و مخمس و مستزاد بسیار خندیدند القصہ نظر نواب صاحب بر ما افتاد طلبیدہ بہ تواضع پیش آمدند و نزد خود جا دادند و از بندہ فرمودند کہ ایں ریختی ایجاد ایشانست گفتم بلے امام بخش را طلبیدہ بہ بندہ گفتند کہ کدام غزل ریختی دیگر بخوانید ایں غزل خواندم ؎

مجھ پہ طوفان نہ لے چاہ کا چل دور دوا ‏ ‏ جھوٹ سے منہ کا ترے جائیگا نور دوا

ایں غزل نویسانیدم امام بخش عرض کرد اعتبار نیست شاید کسے دیگر باشد غزل تازہ ہمین وقت بگویند فی الفور ایں غزل گفتم ؎

شکل جو آپ کی یاد آتی ہے ‏ ‏ تو اجی روح نکل جاتی ہے

وہ تو ہوتی نہیں مے ہے کم بخت

بات جو دل کو مرے بھاتی ہے

ایں غزل در دیوان ست ۔

مجلس پنجاه وسوم

در مرشدآباد بخانه حکیم رضا قلی که اوشان حکیم تخلص میفرمایند وشاگرد میر سوز آنند همراه محمد خاں وارد گردیدند وذکر اشعار میر مذکور بمیان آمد در وصف ایشان سخن باینجا رسانید که برابر بول چال آنها کسے نیست شخصے ازمیاں گفت که در کلام میر سوز نقط قباحتے که بطرف خود عائد میشود می آید گفتم در کلام اوشاں دگر قصوریست آشفته بر آشفته گفتند که قطعه از استاد یاد آمده است ازنقصان اطلاع دهند گفتم چه ضرورست که بے ادبی در کلام بزرگ میشود معاف دارند هرگاه بجد شدند ایں قطعه خواندند ؎

میں کہا دل ہیں در و ہی میرے — ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

پھر جو کچھ جی میں آ گیا تو کہا — ہمیں پیٹے اگر دوا نہ کرے

گفتم در مصرع اول ہیں کہا غیر فصیح ست و در مصرع دوم دریافت نمی شود که کدام کس خندیده گفت

ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے

اگرچه خطاب بمعشوق ست لیکن پوشیده است۔

پھر جو کچھ جی میں آ گیا تو کہا

یه دریافت نمی شود که در دل کدام ست و در مصراع چہارم نقط پیٹے استعمال زبان زنان ست مرداں نقط پیٹے برزبان نیارند روز دوم چند قطعه در جواب آں م پسند فرمودند

قطعہ

روٹھ کر میں جو اُٹھ چلی زنگیں | ہو کے وہ بیقرار دوڑے آئے
لگ کے چھاتی سے پھر لگے کہنے | ہائیں ہی ہی کرے جو آگے جائے

قطعہ

میں نے پوچھا کہ جانتے ہو مجھے | بولے زنگیں کہ ہم تو بھول گئے
اُن کے مُنہ سے یہ بات سُنتے ہی | بس مرے ہاتھ پانوٴں پھول گئے

مجلس پنجاہ و چہارم

در مرشد آباد مرزا بھجو کہ بایندہ دستار بدل شدہ اند پسر ناصر محمد خاں از طرف نواب ببر جنگ پسر نواب مبارک الدولہ کہ صوبہ دار مرشد آباد دست شعر میر تقی را نزد بندہ خواندہ امتحاناً فرمایش جواب کردند ؎

کیا کہیں اپنی سخت جانی کی | ہم نے مر مر کے زندگانی کی

بدیہہ در جواب ایں مطلع گفتم و در کلکتہ رسیدہ غزل سرانجام نمودم ؎

روح نے جسم پر گرانی کی | اب یہ حالت ہے ناتوانی کی

مجلس پنجاہ و پنجم

در مرشد آباد مرزا اکھو کہ از دوستان مرزا بھجو بودند مطلع میاں نثار پیش بندہ خواندند

و داد خواستند۔ ؎

بولا جو پکار ا میں کیا خانہ خرابی کی | میں آپ ہی آرمتا کیوں تمنے شتابی کی

بندہ فی الفور دو شعر گفت۔ ؎

اشک آنکھوں سے برسائے او چشم گلابی کی | اس دل کے اٹکنے نے کیا خانہ خرابی کی

کچھ شعلے سے اُٹھتے ہیں یا وجی کو جلاتے ہیں | سینے میں مرے دل ہے وہ دکان کبابی کی

مجلس پنجاہ و ششم ۵۶

درمرشد آباد مردمان برائے بیڑہ درکشتیہا سوار شدہ میروند تمام شب ہزار ہا بجرۂ پالکی وگھڑ دوڑ و بھی در دریا میگردند ہمہ چیز در آنہا مہیا می باشد ہر کس تماشائے آتشبازی روشنی می بیند و بیڑہ مثال تعزیہ صد ہا بیڑہ از بانس درست کردہ زیر آنہا کوزہائے گلی میچسپانند سی سی گز طول و پانزدہ پانزدہ گز عرض و شش گز دو منزلہ سہ منزلہ تیار می نمایند و پائین و بالائے آنہا چراغہا و کنولہا و اندرون فرش و روشنی شمعہا کہ از میان آنہا دمبدم آتشبازی سر میشود و جھاڑہائے بلوریں و پوشش از تمامی و پارچہ وغیرہ می کنند و دراں رقص می نمایند و از پائے سقف آتشبازی انار پھولجھڑی وغیرہ سر میشود درازی مرشد آباد و بنگلہ شش کردہ ست درمیان ہر دو شہر ہا از روشنی و بیڑہا یک وجب جائے خالی نمی ماند بندہ ہم دریک کشتی سوار گشتہ سیر می نمود دریک بجرہ مراد بخش طوائف پیش کسے عمدہ غزل جرأت می خواند ؎

روز غل آگ لگ اُٹھنے کا یہاں ہتا ہے　　　جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے

بندہ را خوش آمد در جواب مطلع غزل گفتم ؎

اُسنے پوچھا کہ ترے درد کہاں رہتا ہے　　　دل پہ رکھ ہات کہا میں نے یہاں ہتا ہے

مجلس پنجاہ و ہفتم

در کلکتہ چندے اوقات بسر کردہ ارادہ حج کردم نود روپیہ کرایہ صرف ذات
خود دادہ در جہاز نشستہ در عرصہ ہشت روز از کھجوریا و کیلا کانجی کہ نام آب ست
گذشتہ بہ سر حد دریائے شور کہ از کلکتہ دو صد کروہ ست و روزانہ جہاز راہ میرود و در جہازی
کہ بندہ نشستہ بود نود گز طول و بیست گز عرض و بیست گز بلندی بود جہاز ہر قدر کہ
طول دارد چہارم حصہ بلندی و عرض دارد و خلاصی بر آں بسیار و سہ مستول و دہ
مستول دہ دہ بادبان بستہ گندگی مستول آں قدر کہ در بغل جوان نیاید و رسیمان لنگر
از موہائے ناریل بصد گز درازی دو وجب در گندگی و لنگر آہنی سی من وزن دارد
و لک من بار جہاز می بردارد و نصفے مال تجارت و باقی بار خورش و آب وغیرہ سرانجام
جنگ دو ناخدا و چہار معلم بودند صعوبات بسیار کشیدم از تکان صدمہ دوران سر شدہ
بود و خوراک خشکہ و ماہی بے روغن و بے نمک و آب قدریکہ تشنگی ہم نمی رفت و از
آب شور خارشت پیدا شدہ بود از زندگی سیر آمدہ بودم شیخ کریم اللہ در جہاز ہم سفر بودند
تمر ہندی میخوردیم و از خارشت بجاں آمدیم در آں وقت ایں شعر گفتم ؎

دم آیا ناک میں اِس آہ اور زاری کے جلنے سے | طبیبو موت ہی بہتر ہے بیماری کے جینے سے

غزل در دیوان ست و ناخدا گفت کہ امسال بکعبہ نخواہم رفت بتجارت بصرہ خواہم کرد ما کہ ارادہ حج داشتیم منت نمودیم بر مایاں رحم آوردہ از مندراج باز بہ کلکتہ روانہ کرد از مکانیکہ برگشتم کعبہ چہل روز راہ ماندہ بود حق تعالیٰ عذاب جہاز بکسے نصیب نکناد۔

مجلس ۵۸ پنجاہ و ہشتم

در کلکتہ روزے برائے سیر سڑک بسیاری بی صاحبان انگریز بر بگھی و پینس وغیرہ سوار شدہ برائے ہوا خوردن میر فلتند رفتہ بودم شخصے در بازار مطلع مرزا رفیع میخواند ؎

گو غنچہ ساں گرہ میں نئی جمع زر کرے | آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

بندہ فی الفور ایں قطعہ گفت۔

جو کوئی آکے باغ جہاں کی بہار میں | اک دم بھی مثل بادِ صبا گے گذر کرے
رنگیں بقول حضرتِ سودا خزاں سے وہ | آخر برنگ گل ہو پریشاں سفر کرے

مجلس ۵۹ پنجاہ و نہم

در کلکتہ دو شخص بر اشعار میر تقی نزاع داشتند یکے میگفت کہ در صفت اوشان مرزا رفیع گفتہ است ؎

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی کہہ | ہونا ہے تجھ کو میر سے اُستاد کی طرف

دومی گفت ایں ہجو ملیح ست مرزا گفتہ ؎

نہ پڑھیو یہ غزل سودا تو ہرگز میر کے آگے　　وہ ان طرزوں سے کیا واقف وہ انداز کیا جانے

ہر دو نزد بندہ آمدہ یکے گفت شستگی الفاظ و محاورہ او شاں خوب ست یکے ایں شعر خواند ؎

دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں میں میر　　ادھر تو مجھسے بت پھرا اودھر خدا پھرا

و گفت شستگی الفاظ ملاحظہ فرمایند بندہ گفت او شان الفاظ را در شعر بہ تنگی نشست میفرمایند

شخص اولیں گفت ایں گل دیگر شگفت و گلوگیر بندہ شد ہر چند خود را کشیدم مخلصی ندیدم

ناچار ایں دو شعر میر خواندم ؎

سارے رند اوباش جہاں کے تجھسے سجود میں رہتے ہیں

بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب نے تجھ کو امام کیا

کیسا کعبہ کس کا قبلہ کون حرم کیسا احرام

کوچے کے تیرے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

مجلس شصتم

در ڈھاکہ مرزا علی تجارت پیشہ اند و شوق شعر دارند بخانہ او شان رفتم و در عین

اختلاط یک نقل پوربیہ بیان کردم تمام نقل شنیدہ مجوز شدند کہ ہمیں وقت در نظم گفتہ شود

بخاطر شان نظم کردم ع اتفاقاً پوربی تھے یار دو۔

در ایجاد رنگیں ملاحظہ فرمایند۔

مجلس شصت و یکم

در جہانگیرآباد روزے نزد مرزا علی مع چند شخص دیگر نشستہ بودیم مرزا فرمودند کہ کدام مخمس بخوانید خواندم۔

اسکی وصل پر موقوف اپنی زندگانی ہے
دم کا کیا بھروسا ہے یہ جہان فانی ہے

آرزو ہے ملنے کی عالم جوانی ہے
ہجر کی اندھیری شب کیا غضب ڈرانی ہے

آج اُس کا یہاں آنا عین مہربانی ہے

تمام در دیوان ست مع مخمس دوم گفتم۔

مجلس شصت و دوم

در ڈھاکہ مرزا عزیز و شیخ ہدایۃ اللہ و میر جاگن و بندہ در کشتی سوار بودیم مرزا گفتند کہ اقا صاحب چند شاگرد دارند گفتم ہمو نشت نذکر دہ کس باشند گفتند در شاہجہان آباد زنان ہم شعر میگویند گفتند کہ چیزے از شعر زنان بخوانید او لا چند شعر میر سید علی غمگین خواہم

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے
کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے

جنوں نے چاک کیا ہو پھر اس گریباں کو
نہیں ہے فائدہ ناصح اب اسکے سینے سے

جو خاص بندے ہیں اُسکے اُنھیں سوا اُس کے
نہ کام مال سے مطلب نہ کچھ خزینے سے

سوا تمھارے مجھے اور سے نہیں کچھ کام
نہ تم سے غیر لگا تے ہیں ہاکے کینے سے

اب اس قدر مجھے اس عشق نے ستایا ہے | کہ تنگ آیا ہوں غمگیں میں اپنے جینے سے

بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں | پھرے ہے توہی تو پیل وہمار آنکھوں میں

مضطرب تھا دل اپنا جوں پارا | آخر اُس شوخ نے جلا مارا

شمع ترا یہ مکھڑا ہے اور دل میرا پروانہ ہے | داغ جگر پہ عشق میں تیرے مثل چراغ خانہ ہے

میرے صیاد نے اک ظلم یہ ایجاد کیا | بال و پر توڑ قفس سے مجھے آزاد کیا

مرا اس عشق کی دولت سے چہرہ زعفرانی ہے | نکلتا اشک جو آنکھوں سے ہے سو ارغوانی ہے

از مشق بسنت سنگھ نشاط غوا ندم سہ

دل لٹک کر زلف میں اُلجھا تسے بالے کے ساتھ | جز سیہ بختی پھر یگا وہاں سے وہ کیا لے کے ساتھ

جا لگا دل شاید اُس آفت کے پرکالے کے ساتھ | آگ کے شعلے نکلتے ہیں جو ہر نالے کے ساتھ

ہے تصور میں ذقن کے دیکھ ڈانوا ڈول وہ | مت گرا تنی کھینچ اپنے چاہنے والے کے ساتھ

وادی غربت ہوا رشکِ ہزاراں گلستاں | کی ہے کاوش خار نے ہر پاؤں کے چھالے کے ساتھ

دل چل اب منظور کر سیرِ بُتِ پنجاب ہی — مستعد چلنے پہ ہیں سرہند و انبالے کے ساتھ

دیکھتے ہی اُسکے سوجھی مجکو سیرِ لامکاں — عالمِ بالا نظر آیا ترے بالے کے ساتھ

پیچ مت کھا حلقۂ گیسوئے مشکیں کا نشاط — ناگہانی حادثہ ہے کھیلنا کالے کے ساتھ

کوئی تڑپے ہے مارا چشم کا اور کوئی قامت کا — ترے کوچے میں ہے گرم آج ہنگامہ قیامت کا

پیامبر یہی کہیو تو ماجرا دل کا — کہ نانوشتہ ہی بہتر ہے مدعا دل کا

جسے چاہے ہی یہ دل وہ قیامت خوبصورت ہے — پری ہی حور ہی تصویر ہی محبوب صورت ہے

ہم تو اب تنگ شہ پھرے ہیں وفا سے اپنے — جو کیا تم نے سو تم پاؤ خدا سے اپنے

اس دل وحشی کو گر چھوڑے گی پھر زنجیر زلف — دام تھا ہی سبزہ خط اور اب ہوئی زنجیر زلف

از انتخاب آفتاب خاں منیر خواندم ـــہ

ہے ہمارے یار کو اوروں سے اکثر اختلاط — ایک ہم سے ہی نہیں رکھتا ستمگر اختلاط

اس طرح دل کو محبت تجھ سے ہی اے شعلہ خو — جس طرح آتش سے رکھتا ہے سمندر اختلاط

واہ واہ اے دلبرِ بے مہر سرکش تو مدام | ہم پہ کرتا ہے ستم غیروں سے اکثر اختلاط
بے ترحم بے کرم بے مہر کوئی اے صنم | کس توقع پر کرے اب تجھ سے آکر اختلاط
آتشِ حسرت سے ہو جاتا ہی دل جلکر کباب | اُس لبِ میگوں سے جب کرتا ہی ساغر اختلاط
ارہ غم سے جگر ہوتا ہے میرا چاک چاک | کرتی ہے شانے سے جب زلفِ معنبر اختلاط
اُسکے ملنے سے ہوا رسوا جہاں میں اے منیر | ہم نہیں کہتے تھے تجھ کو آتو مت کر اختلاط

یار کا کچھ وصف خط کر نہ سکیگا رقم | کیسا ہی گو آپ کو آپ تراشے قلم

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کرے | کنگھی کے دانت توڑکے اپنی زباں کرے

مکتب میں تجھے دیکھ کسے ہوش سبق ہے | ہر طفل کے یہاں اشک سے آلودہ ورق ہے

از مشق محمدی خاں خواندم سے

یاد جس وقت تری آتی ہے | مجکو ہچکی وہیں لگ جاتی ہے
قدر انسان کی تب آتی ہے | جان جب اُسکی نکل جاتی ہے
بولتے مجھ سے نہیں وہ ہیہات | وصل کی شب یہ چلی جاتی ہے
غیر آتے ہیں نہیں پردہ کچھ | مجکو یہ خو تری کب بھاتی ہے

قتل کرتی ہے وہیں ہجر کی شب | جب وہ صورت مجھے دکھلاتی ہے
گردش دہر اس ہولی میں جان | سانگ اب دیکھیے کیا لاتی ہے

دنیا میں ہم جو آئے تو کیا کام کر چلے | ناحق ہم اپنے نام کو بدنام کر چلے

دل ہمارا جو اُس پہ مرتا ہے | کب خبر اُس کو کوئی کرتا ہے

از راجہ کدار ناتھ کہ نسیم تخلص میکنند خواندم ؎

آتی ہیں یاد جس دم اُس ماہرو کی چاہیں | لیتا ہوں سانس ٹھنڈی بھرتا ہوں گرم آہیں
مشکل ہوا ہے ہم کو اب دیکھنا بھی اُس کا | لڑتی تھیں اپنی جس سے دن رات یہ نگاہیں
کیونکر ہو چین اُس بن صحبت ہو جس سے ایسی | چھاتی سے لگتی چھاتی باہوں کے ساتھ باہیں
آسان نہیں قدم کو اُس سرزمیں میں رکھنا | ہے سخت منزل عشق اُسکی کڈھب ہیں راہیں
اُمید وصل ہی میں ہوگا وصال ایک دن | کب تک نسیم اُسکی فرقت میں ہم کراہیں

مسی مالیدہ دنداں یار کے یکسر چمکتے ہیں | تعجب ہے کہ تارے ابر میں کیونکر چمکتے ہیں

کیوں آپ ہم سے ناحق اب ان دنوں خفا ہیں | چاہت کے ہم ہیں بھوکے الفت کے آشنا ہیں

ہے جب سے چھپا ہم سے دلارام ہمارا — پاتا ہی نہیں تب سے دل آرام ہمارا

گھٹا کیونکر نہ اب اس مینہ گریاں سے گھبراوے — وہ برسے ایک پل یہ رات دن یاں سا برساوے

گرم الفت دل ہو اس آتش کے پرکالے کے ساتھ — آہ سوزاں دمبدم نکلے ہی ہر نالے کے ساتھ

از راجہ شنکرناتھ کہ صبا تخلص میفرمایند خواندم سے

بیاں کیا کیجیے جو کچھ کہ ہم پر درد و غم ہوگا — میاں جاتے ہو تم یہاں سے عجب یاں الم ہوگا

تمہاری یاد میں گذریگا مجکو رات دن روتے — نہیں معلوم اور دل پر مرے کیا کیا ستم ہوگا

اگر تو مبتلا ہوتا کسو پر تو سمجھتا کچھ — تری جانے بلا جو کچھ کہ مجھ پر اے صنم ہوگا

تو ہی بے رحم ہے جو تجکو رحم آتا نہیں مطلق — جو کوئی اور دیکھے گا مجھے وہ چشم نم ہوگا

غلط سمجھا ہے تو پیارے رہے یہ یاد کیا امکاں — قرار اس دل کو میرے آہ تجھ بن ایک دم ہوگا

ہمیشہ داغ پر یہ داغ کھاتا ہے مرا سینہ — کوئی دن کو جو دیکھوگے تو یہ رشک ارم ہوگا

صبا کس واسطے ہوتا ہے مضطر دل میں تو اپنے — لکھا لایا ہی جو قسمت میں کب وہ بیش و کم ہوگا

کیا پوچھتے ہو جور و ستم مجھ سے یار کا — دیکھو یہ حال میرے دل بیقرار کا

باغ میں جب وہ نوجوان گیا
سرو کا قد پر اُس کے دھیان گیا

کوئی دم باقی تھا اُسکا سو نک کر رہ گیا
تیغ ابرو کا تری گھائل سسکر رہ گیا

بے سبب ہرگز نہیں ہی پیار کرنا یار کا
دیکھیے ہے کیا ارادہ اُس بت عیار کا

از دیوان عالم النسا کہ پنہاں تخلص میکند خواندم

اِس آہ سے ہماری آخر یہ کی رسائی
ظلم و ستم وہ بھولا اور ہم سے کی صفائی

کچھ شک نہیں ہی اسمیں یہ میں سمجھ رہی ہوں
ایک روز پھر کرے گا آخر وہ بیوفائی

بوسہ جو میں نے مانگا کہنے لگا وہ ہنسکر
چل دور تو نے ہی ہی یکو اس کیا لگائی

یہ سُن کے آئی وحشت میں گھر سے بھاگ نکلی
زنجیر پاؤں پڑکر پھر گھر میں اپنے لائی

کہتے تھے لوگ مجکو دینا نہ دل تو پنہاں
جیسا کیا تھا میں نے ویسی سزا ہے پائی

دل ہم نے دیا تھا تجھے دلدار سمجھکر
تھا ہم نے لیا عشق کا آزار سمجھکر

ایسا ہے وہ ظالم کہ عیادت کو بھی گاہے
آتا ہی نہیں یہاں مجھے بیمار سمجھکر

تو ایک ہی مچلا ہے کہ قائل ہیں ترے ہم
سنتا نہیں پھر بات کو یکبار سمجھکر

پہلا یہ ثمر ہیگا محبت کی شجر کا | روتے ہیں جو یہ دیدۂ خونبار سمجھکر
تو عشق کے پھندے میں پھنسنا کہیں پنہاں | ناداں نہ ہونا کبھو زنہار سمجھکر

تجھ بن تڑپ رہا ہے یہ بیمار بے طرح | ہے غم سے آج دل کو سروکار بے طرح
یارب یہ درد کیا ہے کہ جسکا ہی نام عشق | دل کو لگا ہے اپنے یہ آزار بے طرح
دلدار اُسکو سمجھے تھے ہم خوب سوچ کر | آخر کو نکلا وہ تو دل آزار بے طرح
محفل میں میں نے اُسکی جو جا کر کیا گذر | دیکھا تو ہے نشے میں وہ سرشار بے طرح
مذکور میں نے پھر جو کچھ اس بات کا کیا | بگڑا بہت ہی مجھ سے وہ خونخوار بے طرح
یارو خدا ہی خیر کرے اُن کی جان کی | پنہاں ہوئے ہیں اُکی گرفتار بے طرح

بعد آں عرض کردم کہ شخصے از عالم نساء بیغم تخلص وارد و در مزاج آں شوخی کمال ست روزے چند غزل برائے اصلاح فرستادہ و چند غزل ریختی ازیں جانب طلبیدہ بود بندہ ایں غزل فرستادہ

مِس پڑے میں اُٹھی اوہی مری جان گئی | مت ستا مجکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھ سے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی نہ تھا | ہاتھ ملتی ہوں تری بات کو کیوں مان گئی

و جملہ غزل در دیوان ست در جواب ایں غزل از راہ شوخی نوشتہ فرستادہ

کبھو کہتا ہے تو دل اور کبھو جان گئی | جھوٹی باتیں ہیں مری جان یہ میں جان گئی

ہیجڑا پن کو ذرا چھوڑ کے مردی پکڑو | کچھ یہ بولی ہے کہ اے واہی مری جان گئی
جی میں کچھ اور نہ لے جائیو واری تیرے | تو تو شاعر ہے بڑا میں تجھے پہچان گئی
تیر کی طرح تری بات مرے جی کو لگی | تیری رنگینی پہ ان شعروں کے قربان گئی
جان تسنیم کو تو بس اپنی ہی لونڈی رکھیں | صدقے ہر دم ترے واری ترے ہا ترن گئی

ہر گاہ ایں غزل نوشتہ بہ بندہ فرستاد ہماں وقت بر پشت آں در جواب نوشتہ فرستادم

کس نے لکھا تھا تمھیں دل گیا او جان گئی | مجکو کیوں لکھتی ہو تم میں تجھے پہچان گئی
ہیجڑا مجکو تو کہتی ہو خبردار رہو | وقت پر کہیو نہ بس کر ترے قربان گئی
جسکو رکھتا ہوں اُسے دیتا ہوں سادی خرچی | نخرا پھر کرکے میں کہتا ہوں کہ جان گئی
پڑھ کے اس شعر کو تیرے تو ہوا تھا میں خفا | کچھ بھی بولی ہے کہ اے واہی مری جان گئی
پر وہیں ہنس پڑا جب میں نے پڑھا یہ مصرع | تیری رنگینی پہ ان شعروں کے قربان گئی

از اشعار عزیز طوائف کہ عزیز تخلص میکند خواندم

جب کہ باغ و بہار دیکھیں گے | ایک گل کیا ہزار دیکھیں گے
تم نہ دیکھو گے گو ہمیں سو بار | ہم تمھیں لاکھ بار دیکھیں گے

اس کتاب میں جن آدمیوں اور جن شہروں کا ذکر آیا ہے اُن کے نام دو فہرستوں میں حروفِ تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لکھے جاتے ہیں۔ شاعروں کا تخلص اُن کے نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے اِس لیے اِس فہرست میں اُن کا تخلص نام سے پہلے رکھا گیا ہے اور ترتیب میں اُن کو تخلص کے اعتبار سے جگہ دی گئی ہے۔ ہر نام کے سامنے اُن مجلسوں کا حوالہ دے دیا گیا ہے جن میں وہ نام آیا ہے۔

اسماء الرجال

اسماء البلاد